مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول
(مولانا) مشرف علی تھانوی

مدیر
ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۱۸ | شوال ۱۴۳۸ھ | جولائی ۲۰۱۷ء | شمارہ ۷

الیسر مع العسر

تنگی کے ساتھ آسانی

از افادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/۴۰ روپے — زر سالانہ =/۲۰۰ روپے

ناشر: (مولانا) مشرف علی تھانوی
مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۲۰/۱۳ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور
مقام اشاعت
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

ماہنامہ الامداد لاہور

۳۵۴۲۲۲۱۳
۳۵۴۳۳۰۴۹

پتہ دفتر
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

الیسر مع العسر
تنگی کے ساتھ آسانی

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
نمبر شمار	عنوانات	صفحہ

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱......	تمہید..	۱۰
۲......	مضمون سے آیت وحدیث کا تعلق..............	۱۰
۳......	حضور ﷺ کی تسلی................................	۱۱
۴......	آپ ﷺ میں آثار بشریت کی حکمت..............	۱۲
۵......	ولادت نبوی ﷺ کے بارے میں غلط نظریہ............	۱۳
۶......	نظریہ باطل کا رد..	۱۴
۷......	بشر ہونا حضور ﷺ کا کمال ہے.........................	۱۵
۸......	حضور ﷺ کی وجہ اذیت................................	۱۶
۹......	نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کے لئے بددعا کرنے کی وجہ...	۱۷
۱۰......	ایک عام مرض..	۱۹
۱۱......	اشکال کا جواب..	۲۰
۱۲......	مرزا صاحب کی لطیف مزاجی..........................	۲۰
۱۳......	مزاج کا فرق..	۲۲
۱۴......	انبیاء علیہم السلام کی مختلف حالتیں........................	۲۳

۱۵.....	یحییٰ علیہ السلام کا حال..................	۲۵
۱۶.....	عیسی علیہ السلام کا حال..................	۲۵
۱۷.....	انبیاء واولیاء مبلغین کا عالی نسب ہونا..................	۲۶
۱۸.....	انبیاء کی مختلف شانیں..................	۲۷
۱۹.....	اولیاء کی مختلف شانیں..................	۲۸
۲۰.....	راضی برضاء کی حقیقت..................	۳۱
۲۱.....	کمال کی حقیقت..................	۳۱
۲۲.....	اکمل حالت..................	۳۳
۲۳.....	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت..................	۳۳
۲۴.....	محبوبیت کے درجے..................	۳۴
۲۵.....	اولیاء کو ایذا دینے والے پر قہر الٰہی..................	۳۵
۲۶.....	مرزا صاحب کی فرمائش..................	۳۶
۲۷.....	طبعی مناسبت..................	۳۸
۲۸.....	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت وخیرخواہی..................	۴۰
۲۹.....	تفسیر آیت..................	۴۲
۳۰.....	سوال..................	۴۲
۳۱.....	جواب..................	۴۳
۳۲.....	آیت میں تکرار کی وجہ..................	۴۴
۳۳.....	مضمون کلی کا اجمالی بیان..................	۴۵
۳۴.....	اشیاء کی تقسیم..................	۴۵

۳۵.....	احتمال عقلی................................	۴٦
۳٦.....	علاج بالمثل................................	۴۷
۳۷.....	علاج بالضد................................	۴۷
۳۸.....	پستی اختیار کرنا باعث بلندی ہے................	۴۹
۳۹.....	حاجی صاحب کی تحقیق........................	۴۹
۴۰.....	کلام عارف شیرازی میں تذکرہ قبض وبسط..............	۵۰
۴۱.....	شیخ کی توجہ................................	۵۱
۴۲.....	توجہ اور عمل دونوں ضروری....................	۵۲
۴۳.....	حدیث کا مطلب................................	۵۳
۴۴.....	عمل کی اہمیت وضرورت........................	۵۳
۴۵.....	عشق کا امتحان................................	۵۴
۴٦.....	فناء ذریعہ بقاء................................	۵۵
۴۷.....	معراج یونس علیہ السلام........................	۵۵
۴۸.....	محبوبانہ عتاب................................	۵۸
۴۹.....	انبیاء میں تفضّل................................	۵۹
۵۰.....	حقیقت معراج................................	٦۰
۵۱.....	حضور ﷺ کی معراج کی حقیقت....................	٦۰
۵۲.....	حقیقتِ مکہ ومدینہ................................	٦۱
۵۳.....	عُسر باعث یُسر................................	٦۲
۵۴.....	شعبان میں ممانعت روزہ کی وجہ....................	٦۳

۵۵.....	پندرہ شعبان کا روزہ.....................................	۶۵
۵۶.....	تاریخ میں شبہ کی صورت میں ثواب.....................	۶۶
۵۷.....	شان باری تعالیٰ.....................................	۶۷
۵۸.....	قدرت الٰہی.....................................	۶۸
۵۹.....	ہر علاقہ میں وہاں کی روایت ہلال معتبر ہے.............	۶۸
۶۰.....	پندرہ شعبان کو ممانعت آتشبازی.........................	۶۹
۶۱.....	بدوؤں کی سادہ لوحی.....................................	۷۰
۶۲.....	بچوں کی تربیت.....................................	۷۱
۶۳.....	شب براءت کی فضیلت.....................................	۷۱
۶۴.....	رسول اللہ ﷺ کی شان تربیت.........................	۷۲
۶۵.....	خلاصہ وعظ.....................................	۷۳

وعظ

الیسر مع العسر

تنگی کے ساتھ آسانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے وعظ ''الیسر مع العسر'' مسجد خانقاہ امدادیہ اشرفیہ میں ۱۱ شعبان ۱۳۴۱ھ کو ڈھائی گھنٹے تک بعد نماز جمعہ کھڑے ہوکر ارشاد فرمایا۔ قرب رمضان کی وجہ سے لوگوں کو روزہ اور تراویح کے لئے آمادہ کرنا تھا۔ پندرہ شعبان کے بعد روزہ کی ممانعت اس لئے کی گئی ہے تاکہ رمضان کے روزہ کے لئے قوت ونشاط پیدا ہوجائے اس پر یہ مضمون متفرع کیا کہ کبھی ضد سے بھی ضد پر مدد لی جاتی ہے شیخ الحدیث علامہ ظفر احمد عثمانی قدس سرہ نے یہ وعظ قلم بند کیا سامعین کی تعداد تقریبا ۵۰ سے ۶۰ افراد تھی۔ یہ وعظ اہل علم کے لئے خصوصا اور عوام کے لئے عموماً مفید ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو وعظ سمجھنے اور اس میں مذکور احکامات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

خلیل احمد تھانوی

۲۳ فروری ۲۰۱۷ء

۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۸ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ و بارک وسلم **اما بعد:**

فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿ فَاِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ یُسۡرًا اِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ یُسۡرًا ﴾(۱)

وَقَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہِ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ اِذَا انۡتَصَفَ شَعۡبَانُ فَلَا صَوۡمَ اِلَّا عَنۡ رَمَضَانَ قُلۡتُ اَخۡرَجَہٗ فِی الۡمَقَاصِدِ الۡحَسَنَۃِ بِلَفۡظِ فَلَا صَوۡمَ حَتّٰی رَمَضَانَ وَ عَزَاہُ اِلٰی اَحۡمَدَ وَالدَّارِمِیۡ وَالۡاَرۡبَعَۃَ وَقَالَ صَحَّحَہٗ ابۡنِ حَبَّانَ وَاَبُوۡعَوَانَۃَ وَغَیۡرَھِمَا وَالدَّیۡنُوۡرِیۡ فَالۡمُجَالِسَتِ کُلُّھُمۡ مِنۡ حَدِیۡثِ الۡعَلَاءِ بۡنِ عَبۡدِ الرَّحۡمٰنِ عَنۡ اَبِیۡہِ عَنۡ اَبِیۡ ھُرَیۡرَۃَ بِہٖ مَرۡفُوۡعًا اھ ص۱٦۔(۲)

(۱)''سو یقیناً ہر سختی کے ساتھ آسانی ہے اور یقیناً سختی کے ساتھ آسانی ہے'' سورہ الم نشرح ۔۵۔٦ (۲)''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب نصف شعبان گذر جائے تو سوائے رمضان کے کوئی روزہ نہیں میں کہتا ہوں کہ اس کو مقاصد حسنہ میں ان الفاظ سے بیان کیا ہے کہ کوئی روزہ نہیں رمضان تک اور اس کو احمد، دارمی اور سنن اربعہ کی طرف منسوب کیا ہے ابن حبان وابوعوانہ وغیرہ نے اس کی تصحیح کی ہے اور دینوری نے علاء بن عبدالرحمٰن سے بروایت ان کے باپ کے ابوہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے''۔

تمہید

آج میں نے خلاف معمول آیت وحدیث دونوں کی تلاوت کی ہے حالانکہ میرا ہمیشہ کا معمول یہ ہے کہ بیان کے لئے یا صرف آیت قرآن کی تلاوت کرتا ہوں یا صرف حدیث کی مگر آج ایک ضرورت کی وجہ سے میں نے ایسا کیا ہے وہ یہ کہ اول میرے ذہن میں ایک مضمون جزئی آیا تھا اس کے مناسب یہ حدیث ذہن میں آئی پھر مضمون اول سے ایک دوسرے مضمون کلی کی طرف ذہن منتقل ہوا اس کے مناسب یہ آیت ذہن میں آئی پھر گویا یہ ممکن تھا کہ میں صرف آیت پر اکتفا کرتا حدیث کی تلاوت نہ کرتا لیکن اس کو جی نہ چاہا کہ جو چیز اولاً ذہن میں آئی تھی اس کو ترک کروں کیونکہ اسمیں بالجملہ اعراض کی سی صورت تھی علاوہ ازیں احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے لئے بمنزلہ شرح کے ہیں اس لئے بھی حدیث کے ترک کو جی نہ چاہا بلکہ یہی صورت اچھی معلوم ہوئی کہ دونوں کی تلاوت کردی جائے تاکہ حدیث سے آیت کی شرح ہوجائے لیکن تلاوت میں آیت کو مقدم رکھا گو اس کی طرف ذہن بعد میں منتقل ہوا تھا کیونکہ آیاتِ قرآنیہ کا رتبہ احادیث سے بڑھا ہوا ہے دوسرے وہ بمنزلہ متن کے ہیں اور احادیث بمنزلہ شرح کے اور متن شرح سے پہلے ہی ہوا کرتا ہے۔

مضمون سے آیت وحدیث کا تعلق

الفاظ حدیث سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ اس وقت جو مضمون بیان ہوگا اس کا تعلق ماہِ شعبان سے ہے لیکن آیت کا تعلق غالباً ابھی سمجھ میں نہ آیا ہوگا۔ تو بات یہ ہے کہ اس وقت شعبان کے متعلق جو مضمون بیان کرنا ہے اس میں دو پہلو ہیں ایک

جزئیت کا دوسرا کلیت کا تو جزئیت کے طور پر اس مضمون کو حدیث سے تعلق ہے اور کلیت کے طور پر آیت سے تعلق ہے اس وقت اجمالاً اتنا سمجھ لینا کافی ہے آگے تفصیل بھی معلوم ہو جائے گی اب اس مضمون کو سمجھنا چاہیئے اور مناسب یہ ہے کہ پہلے مضمون کلی کو بیان کر دیا جائے۔ کیونکہ اول تو کلی مقدم ہوتا ہے جزئی سے، جزئیات کلی کے اندر مندرج ہوتی ہیں تو کلی کو معلوم کر لینے سے فی الجملہ جزئیات کا علم ہو جاتا ہے دوسرے وہ مضمون کلی آیت سے مستنبط ہے جس کو میں نے تلاوت میں مقدم کیا ہے اس لئے پہلے مضمون کلی ہی کا بیان مناسب ہے۔

حضور ﷺ کی تسلی

تو سنئے حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا﴾ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ بیشک دشواری کے ساتھ آسانی ہے آگے مکررًا تاکید ہے کہ بیشک دشواری کے ساتھ آسانی ہے۔ یہ سورۂ الم نشرح کی آیت ہے اور وہ مکی سورت ہے اور مکہ میں حضور ﷺ کو قسم قسم کی تکلیفیں پیش آتی تھیں جن کے متعلق حق تعالیٰ نے جابجا مکی سورتوں میں آپ کی تسلی فرمائی ہے منجملہ ان کے ایک سورت یہ بھی ہے جس میں آپ کی تسلی کی گئی ہے اور کلفتوں کے بعد آسانی کی بشارت دی گئی ہے ظاہر نظر میں تو مکہ میں آپ کو ایک کلفت تھی وہ یہ کہ کفار کو آپ سے عداوت تھی وہ آپ کو زبانی اور جسمانی اذیتیں پہنچاتے تھے مگر نظر(۱) غائر میں آپ کی اصلی کلفت (۲) روحانی تھی۔

---

(۱) اگر گہری نظر سے دیکھا جائے (۲) پریشانی۔

آپ ﷺ میں آثار بشریت کی حکمت

اور راز ان سب کلفتوں کا یہ تھا کہ آپ دوشانوں کے جامع تھے بشریت و ملکیت (۱) جس میں حق تعالیٰ کی یہ حکمت تھی کہ اگر آپ میں بشریت کے آثار نہ ہوتے تو آثار ملکیت کو دیکھ کر لوگ یہ سمجھتے کہ آپ ملک بصورت بشر ہیں (۲)۔ اور جو لوگ شرک کا عقیدہ رکھتے ہیں وہ تو حضور ﷺ کو آلہ بصورت بشر سمجھتے۔ (۳) چنانچہ مشرکین کی ایک جماعت ایسی بھی ہے جو حق تعالیٰ کے لئے حلول فی الاجسام کو جائز رکھتی ہے (۴) یہ لوگ جب کسی انسان میں بشریت سے زیادہ آثار کا مشاہدہ کرتے ہیں اس کو اوتار کہنے لگتے ہیں کہ خدا نے اس میں حلول کر کے صورت انسانی میں ظہور کیا ہے (نعوذ باللہ) یہ لوگ اگر حضور ﷺ کو دیکھتے تو آپ کو آلہ بصورت بشر ہی کہتے (۵) جیسا کہ نصاریٰ کا عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہی عقیدہ ہے ان لوگوں کو عیسیٰ علیہ السلام میں ان آثار کے مشاہدہ ہی سے یہ دھوکا ہوا جو دوسرے انسان سے زیادہ ان میں تھے اور آجکل بعض لوگوں نے حضور ﷺ کے متعلق بھی ایسا غلو کیا۔ چنانچہ میرے استاد مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک سوال آیا تھا کہ کیا حضور ﷺ بشر تھے؟ اس شخص کو حضور ﷺ کے بشر ہونے پر تعجب تھا اور اس تعجب کا منشا یہی ہوا کہ آپ میں بشریت کے علاوہ بعض وہ کمالات بھی تھے جو دوسرے انسانوں میں نہیں جس سے ناواقف کو دھوکہ ہوجاتا ہے کہ آپ بشر نہیں ملک بصورت بشر ہیں (۶) یا نعوذ باللہ آلہ بصورت بشر ہیں۔

---

(۱) آپ ﷺ میں انسانی صفات اور فرشتوں کی صفات دونوں جمع تھی (۲) آپ انسانی صورت میں فرشتہ ہیں (۳) شرکیہ عقائد والے تو آپ کو معبود بشکل انسان سمجھ لیتے (۴) جن کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ انسانی جسم میں حلول کر سکتا ہے (۵) آپ کو معبود بشکل انسان کہتے ہیں (۶) فرشتہ بشکل انسان۔

ولادت نبوی ﷺ کے بارے میں غلط نظریہ

اور بعض لوگوں کو یہ جرأت تو نہ ہوئی مگر انہوں نے آپ کی ولادت شریفہ کے متعلق ایک مضمون اختراع (۱) کیا ہے جس سے گویا حضور ﷺ کو بشریت سے جدا کرنا چاہا ہے بلکہ حضور ﷺ سے تجاوز کر کے اہل بیت وائمہ اطہار کی نسبت بھی یہ اختراع کیا ہے کہ ان کی ولادت موقع معتاد سے نہیں ہوئی (۲) بلکہ حضور ﷺ اور ائمہ اطہار ران سے (۳) پیدا ہوئے ہیں اور اس اختراع کی طرف داعی یہ ہوا (۴) کہ ان لوگوں نے حضور ﷺ کی ولادت کو موضع نجاست سے مستبعد سمجھا۔ مگر ان کے پاس اس دعویٰ کی کوئی بھی دلیل نہیں سوائے گستاخی کے پھر حضور ﷺ کے متعلق تو علماء کا یہ قول بھی ہے کہ حضور ﷺ کے متعلق تمام فضالت (۵) پاک ہیں۔ اس لئے حضور ﷺ کے محل نجاست سے پیدا ہونے میں اگر کسی کو استبعاد ہو (۶) تو کسی درجہ میں ایک وجہ استبعاد (۷) اس کے پاس موجود بھی ہے کہ جب علماء حضور ﷺ کے فضلات تک کو پاک کہتے ہیں تو ایسے پاک صاف ذات کو محل نجاست سے نہ پیدا ہونا چاہیے بلکہ موضع طاہر سے پیدا ہونا چاہیئے مگر ائمہ اطہار کی بابت تو کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ ان کے فضلات بھی پاک ہیں ان کے متعلق یہ اختراع کیوں کیا گیا۔

---

(۱) گھڑ لیا ہے (۲) یہ عقیدہ اختیار کیا کہ آپ کی اور اہل بیت کی پیدائش عام طریقہ پر جیسے بچے پیدا ہوتے ہیں ایسے نہیں ہوئی (۳) آپ ﷺ اور ائمہ مکرمین ران سے پیدا ہوئے (۴) یہ بات گھڑنے کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے آپ کی پیدائش کو مقام نجاست سے بعید خیال کیا (۵) پیشاب پاخانہ (۶) بعید خیال کرے (۷) عادۃً جیسے ولادت ہوتی ہے اس کو بعید خیال کرنے کی وجہ۔

نظریہ باطل کا رد

اب میں حضور ﷺ کے متعلق اس استبعاد کا جواب دیتا ہوں وہ یہ کہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ رحم محل نجاست ہے، بلکہ رحم موضع بول و براز سے (۱) بالکل الگ ہے اور نجاست اصلیہ بول و براز (۲) ہی میں ہے کہ یہ دونوں نجس العین (۳) ہیں سو رحم کو ان سے کوئی تعلق نہیں۔ پس موضع معتاد سے (۴) ولادت میں یہ اشکال لازم نہیں آتا کہ اس میں محل نجاست سے خروج ہے کیونکہ وہ محل نجاست ہی نہیں بلکہ محل طاہر ہے اور ولادت کی وقت جو رطوبت جسم جنین (۵) کے ساتھ لگی ہوتی ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ طاہر ہے: (قَالَ فِی الشَّامِیّةِ رَطُوبَةُ الْوَلَدِ عِنْدَ الْوِلَادَةِ طَاھِرَۃٌ وَکَذَا السَّخْلة اِذَا خَرَجَتْ مِنْ اُمِّھَا وَکَذَا الْبَیْضَةُ فَلَا تَیَنُجسَّ بِھَا الثَّوْبُ وَلَا الْمَاءُ اِذَا وَقَعَتُ فِیْہِ اھ ص ۳٦۱ ۔(٦) اور اگر کسی کے نزدیک وہ رطوبت ناپاک بھی ہو تو اس کی ناپاکی عارضی ہے جو دھونے سے زائل ہو جاتی ہے دھونے کے بعد جسم بالکل پاک ہو جاتا ہے اور ایسی عارضی ناپاکی کے جسم کو لگ جانا کچھ محل استبعاد (۷) نہیں حضور ﷺ کے جسم و لباس پر بعض دفعہ بچوں کا پیشاب کر دینا اور حضور ﷺ کا اس کو دھلوانا ثابت ہے بس اس سے زیادہ یہ رطوبت نہیں ہو سکتی وہ بھی عارضی طور پر جسم کو لگ گئی جو دھلنے سے پاک ہو گئی اور یہ بھی علی سبیل التنزل ہے اگر اس رطوبت کا ناپاک ہونا تسلیم کیا جاوے ورنہ امام صاحب کے

(۱) پیشاب پاخانے کے مقام سے الگ ایک مقام ہے (۲) پیشاپ پاخانہ ہی اصل نجاست ہے (۳) ان دونوں کی ذات ناپاک ہے (۴) عام طریقے سے ولادت پر یہ اشکال نہیں ہوتا (۵) نومولود بچہ (٦) شامی میں کہا ہے بچہ کی جسم کی رطوبت پیدائش کے وقت پاک ہے ایسے بکری کے بچہ کی رطوبت جب کہ اپنی ماں کے پیٹ سے نکلے اور ایسے انڈا پس نہ ناپاک ہوگا ان سے کپڑا اور پانی جبکہ اس میں گر جائے (۷) کوئی بعید نہیں۔

نزدیک تو رطوبت ولد جو ولادت کے ساتھ جسم سے لگی ہوتی ہے پاک ہے اس قول پر تو کچھ اشکال ہی نہیں مجھے اتنی تقریر اس مسئلہ میں محض ان گستاخ لوگوں کے اس اختراع کی وجہ سے کرنا پڑی تاکہ ان کے استبعاد کا جواب ہو جائے ورنہ اس مسئلہ میں گفتگو کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ میرے پاس خود ایک سوال آیا تھا کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ حضور ﷺ بطریق معتاد پیدا ہوئے۔ میں نے بڑا تعجب کیا کہ یہ شخص اپنے کو حضور ﷺ کا محبّ کہتا ہے اور ایسی بحث لیکر بیٹھا ہے جس میں ولادت کے اترے پترے کھولتا ہے اس کو ایسی گفتگو کرتے ہوئے شرم نہیں آتی کیا اپنی ماں کے متعلق بھی وہ ایسی گفتگو کرسکتا ہے، میرا دل نہ چاہتا تھا کہ اس کو جواب دوں مگر غلطی کی اصلاح ضروری تھی اس لئے میں نے جواب دیا کہ احادیث میں وارد ہے وُلِد رسول اللّٰہ ﷺ لیلة کذا۔ کہ حضور ﷺ کی ولادت فلاں شب کو ہوئی اور ولادت کی حقیقت یہی ہے کہ بطریق معتاد پیدائش ہو اور الفاظ میں اصل معنی حقیقی ہی ہوتے ہیں فَلَا یُصْرَفُ عَنْهُ اِلَّا بِدَلِیْلٍ یعنی حقیقت سے بدون دلیل کے عدول نہیں ہوسکتا لہذا ہم کو دلیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں جو شخص حقیقت کو چھوڑ کر ولادت کے دوسرے معنی بیان کرتا ہے اس کو دلیل قائم کرنا چاہیئے۔ جواب تو میں نے لکھ دیا مگر میرا قلم کانپتا تھا۔

بشر ہونا حضور ﷺ کا کمال ہے

غرض یہ لوگ چاہتے ہیں کہ حضور ﷺ کو بشریت سے بعید کردیں حالانکہ آپ کا کمال یہی ہے کہ آپ بشر ہیں اور پھر ایسے کمالات سے متصف ہیں جو بشریت سے بعید ہیں کسی نے آپ کی شان میں خوب کہا ہے: بَشَرٌ لَا کَالْبَشَرِ ولٰکن کَالْیَاقُوْتِ بَیْنَ الْحَجَرِ۔ یعنی آپ بشر تو ہیں مگر اور انسانوں کی طرح نہیں

ہیں بلکہ آپ ایسے ہیں جیسے پتھروں میں یاقوت ہوتا ہے۔ حقیقت تو یاقوت کی بھی پتھر ہی ہے مگر اس میں اور دوسرے پتھروں میں ایسا زمین آسمان کا فرق ہے کہ اس فرق پر نظر کر کے یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ پتھر نہیں کچھ اور چیز ہے پس یاقوت کا کمال یہی ہے کہ وہ پتھر ہو کر ایسا قیمتی اور ایسا خوشنما ہے اگر حجر نہ ہوتا ذہب ہوتا تو کوئی عجیب بات نہ تھی اسی طرح حضور ﷺ کا کمال یہ ہے کہ آپ انسان ہو کر سب انسانوں سے بڑھے ہوئے ہیں اگر مَلَکْ ہوتے تو کچھ کمال نہ تھا پس چونکہ حضور ﷺ میں بشریت بھی کامل تھی۔

حضور ﷺ کی وجہ اذیت

اس لئے آپ کو اذیت کی بات سے اذیت ہوتی تھی یہ تو بس اذیت کی علت تھی اور چونکہ آپ لطیف المزاج سب سے زیادہ تھے اس لئے بہ نسبت دوسروں کے آپ کو زیادہ اذیت ہوتی تھی کیونکہ جب مزاج میں لطافت زیادہ ہوتی ہے تو ناگوار امور سے کلفت بھی دوسروں سے زیادہ ہوتی ہے۔ بھلا حضور ﷺ کی لطافت مزاج کو تو ہم کیا ہی سمجھ سکتے ہیں آپ کے غلاموں میں بعض حضرات ایسے لطیف المزاج ہوئے ہیں کہ ان کے قصے سن سن کر حیرت ہوتی ہے اہل اللہ کی لطافت مزاج کی بادشاہوں کو ہوا بھی نہیں لگی۔

چنانچہ حضرت مرزا جانجاناں رحمۃ اللہ علیہ اس اخیر زمانہ میں بہت ہی لطیف المزاج گذرے ہیں ان کو لوگوں کی ادنیٰ ادنیٰ بے عنوانی(۱) سے وہ تکلیف ہوتی تھی جو ہم کو گالی سننے سے بھی نہیں ہوتی آجکل لوگ بزرگوں کو تیز مزاج کہتے ہیں کہ ذرا ذرا سی بات پر ان کو غصہ آجاتا ہے لوگ ان کو اپنے اوپر قیاس کرتے کہ بس

(۱) اعتدالی۔

جتنی کلفت ہم کو ہوتی ہے ناگوار بات سے اتنی ہی ان کو ہوتی ہوگی حالانکہ یہ بناء الفاسد علی الفاسد ہے(۱) جس بات کو تم خفیف(۲) سمجھتے ہو ان کے نزدیک وہ پہاڑ سے زیادہ بھاری ہے اسی واسطے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: اُوْذِیْتُ فِی اللّٰہِ عَالَمَ یُؤذَا اَحَدٌ (قُلْتُ اَخْرَجه فِی الْمَقَاصِدِ الحَسَنَةِ بِلَفْظِ اُوْذِیَ اَحَدٌ مَا اُوْذَیْتُ فِی اللّٰہِ عَزّوَجَلَّ اَبُوْ نَعِیْمٍ فِی الْحِلْیَةِ عَنْ اَنَسٍ بِهٖ مَرْفُوْعًا وَاَصْلُهٗ فِی الْبُخَارِیُ اھ۔ (ص ۱۷۰)(۳)

یعنی مجھ کو اللہ کے راستے میں اسقدر ایذا پہنچی ہے جو کسی کو نہیں پہنچی۔

نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کے لئے بددعا کرنے کی وجہ

بظاہر اس پر حیرت ہوتی ہے اور یوں شبہ ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کو نوح علیہ السلام کے برابر تو ایذاء نہیں پہنچی۔ نوح علیہ السلام کا صرف زمانۂ وعظ ساڑھے نوسو برس تھا اتنی مدت تک وہ کفار کی ایذاء سہتے رہے۔

حضور ﷺ نے تو صرف تیئس سال ہی تبلیغ فرمائی ہے تو کیا تیئس سال میں حضور ﷺ کو اتنی ایذا پہنچی جو نوح علیہ السلام کو ساڑھے نوسو برس میں بھی نہیں پہنچی پھر نوح علیہ السلام کو کفار نے بہت تنگ کیا تھا سیر سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار وعظ کے وقت ان کو لہولہان کر دیتے تھے اللہ اکبر! پھر ان کی شفقت وہمت کا یہ حال تھا کہ لہولہان ہو کر بھی تبلیغ سے نہ رکتے تھے ساڑھے نوسو برس تک یہی حال رہا۔ بعض ظالم مصنف نوح علیہ السلام کی بابت کہتے ہیں کہ ان میں شفقت ورحم نہ تھا

(۱) اس استدلال کی بنیاد ہی غلط ہے (۲) ہلکا (۳) ”اللہ کے راستہ میں جتنا میں ستایا گیا ہوں کوئی نہیں ستایا گیا میں کہتا ہوں کہ مقاصد حسنہ میں ان الفاظ سے تخریج کی ہے کہ کسی کو اتنی ایذا نہ پہنچائی گئی جتنی مجھ کو اللہ کے راستہ میں ایذا پہنچائی گئی اور ابونعیم نے حلیہ بن انسؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے اس کی اصل بخاری میں موجود ہے“۔

اور دلیل یہ لکھی کہ یہ انہوں نے اپنی قوم کے لئے بہت ہی سخت بددعا کی رَبِّ لَاتَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ''اے رب نہ چھوڑ زمین پر منکروں کا ایک گھر بسنے والا (خداوندا کافروں میں سے زمین پر ایک بھی بسنے والا نہ رہے) میں کہتا ہوں کہ اس شخص نے نوح علیہ السلام کی بددعا کو تو دیکھ لیا اس کو نہ دیکھا کہ انہوں نے اس ظالم قوم کی ایذائیں(۱) کتنی مدت تک برداشت کیں۔ اس شخص کو بڑا ہمدردی قومی کا دعویٰ ہے ذرا وہ نو مہینہ ہی ایسی تکالیف برداشت کر کے دکھلاوے نانی یاد آجائیگی میں کہتا ہوں کہ نوح علیہ السلام کا ساڑھے نو سو برس تک تبلیغ کرتے رہنا اور قوم کی اصلاح میں سعی (۲) کرتے رہنا اور ان کی ایذاؤں کو سہتے رہنا(۳) جس کا ذکر اسی آیت میں ہے ﴿قَالَ رَبِّ اِنِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَّنَهَارًا الی قوله ثُمَّ اِنِّيْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ثُمَّ اِنِّيْ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا﴾(۴)

یہ ان کی غایت درجہ شفقت کی دلیل ہے جب اصلاح سے مایوس ہی ہوگئے اور یہ مایوس بھی وحی سے واقع ہوئی جیسا اس آیت میں ہے: ﴿وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ الی قوله وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ﴾(۵)

---

(۱) تکالیف (۲) کوشش (۳) برداشت کرنا (۴)''نوح علیہ السلام نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار میں نے اپنی قوم کو رات کو بھی اور دن کو بھی (دین حق کی طرف) بلایا سو میرے بلانے پر دین سے اور زیادہ بھاگتے رہے اور میں نے جب کبھی ان کو دین حق کی طرف بلایا تاکہ آپ ان کو بخشدیں تو ان لوگوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں دے دیں اور اپنے کپڑے (اپنے اوپر) لپیٹ لئے اور اصرار کیا اور غایت درجہ کا تکبر کیا پھر میں نے ان کو با آواز بلند بلایا پھر میں نے ان کو اعلانیہ بھی سمجھایا اور ان کو بالکل خفیہ بھی سمجھایا''(۵)''اور نوح علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی گئی کہ سوا ان کے جو ایمان لا چکے ہیں اور کوئی شخص تمہاری قوم میں سے ایمان نہ لاوے گا سو جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں اس پر کچھ غم نہ کرو اور تم ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم سے کشتی تیار کرلو اور مجھ سے کافروں کے بارے میں کچھ گفتگو نہ کرنا وہ سب غرق کئے جاویں گے''۔

اور یہ سمجھا کہ اب ان سے مسلمانوں کو ضرر پہنچنے کا سخت اندیشہ ہے اور بظاہر نہ یہ خود ایمان لائیں گے نہ ان کی اولاد میں کسی کے مومن ہونے کی امید ہے اس وقت انہوں نے بدعا کی چنانچہ خود ہی فرماتے ہیں: ﴿اِنَّکَ اِنْ تَذَرْهُمْ یُضِلُّوْا عِبَادَکَ وَلَا یَلِدُوْا اِلَّا فَاجِرًا کَفَّارًا﴾ (اگر آپ ان کو روئے زمین پر رہنے دیں گے تو یہ لوگ آپ کے بندوں کو گمراہ ہی کریں گے اور ان کی محض فاجر اور کافر ہی اولاد پیدا ہوگی) جب تک ان کو اصلاح کی امید رہی اس وقت تک تبلیغ کرتے رہے مصائب جھیلتے رہے جو ایک سال دو سال کی مدت نہ تھی بلکہ اکٹھے ساڑھے نو سو برس اسی حال پر گذر گئے جب ان کی طرف سے مایوس ہو گئے اور مسلمانوں پر ان کے وجود سے خطرہ ہونے لگا اس وقت مسلمانوں کے حال پر رحم کر کے کفار پر بدعا کی۔ تو یہ بدعا بھی حقیقت میں رحمت تھی اور اس کا منشا بھی شفقت ہی تھی یعنی مسلمانوں کے حال پر۔

ایک عام مرض

مگر لوگوں میں مرض یہ ہے کہ وہ صرف ایک پہلو کو دیکھ کر اعتراض کر دیتے ہیں دوسرے پہلو پر نظر نہیں کرتے۔ بھلا ہمارا اور آپ کا کیا منہ ہے جو نوح علیہ السلام پر زبان کھولیں ۔

اے ترا خارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست　　حالِ شیرانے کہ شمشیر بلا برسر خورند(۱)

جس کے کبھی کانٹا بھی نہ لگا ہو اس کا کیا منہ ہے کہ نوح علیہ السلام پر اعتراض کرے جو ہزار برس تک پتھر کھاتے رہے یہ بہت سخت گستاخی کا حکم ہے جو

(۱)''تمہارے پاؤں میں گو کانٹا بھی نہ لگا ہے تم ان لوگوں کا حال کیا سمجھ سکتے ہو جن کے سروں پر بلا کی تلوار چل رہی ہو''۔

ان لوگوں کی زبان پر آتا ہے ﴿ کَبُرَتْ کَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا کَذِبًا ﴾(۱)

اشکال کا جواب

غرض نوح علیہ السلام کی ان کلفتوں(۲) کو دیکھ کر بعض لوگوں کو شبہ ہو جاتا ہے کہ کیا حضور ﷺ کو نوح علیہ السلام سے بھی زیادہ ایذا پہنچی حالانکہ کما و کیفاً(۳) ان کی ایذا(۴) بظاہر زیادہ معلوم ہوتی ہے حضور ﷺ گو نہ اتنی مدت تک ایذا پہنچی نہ ایسی شدید ایذا ہوئی پھر آپ کیسے فرماتے ہیں کہ میرے برابر خدا کے راستہ میں کسی کو ایذا نہیں ہوئی تو سنئے ظاہر میں بیشک نوح علیہ السلام کی تکالیف بڑھی ہوئیں ہیں مگر حقیقت میں آپ کی تکالیف ان سے زیادہ تھیں بات یہ ہے کہ مؤثر اور متاثر اور بناء تاثر(۵) کے تفاوت سے اثر میں تفاوت(۶) ہو جاتا ہے جیسے ایک دیہاتی کے پیر میں کانٹا لگ جائے دیہاتی کو اس کا احساس بھی نہیں ہوتا کیونکہ جنگل میں بکثرت چلنے پھرنے سے ان لوگوں کے پیر سخت ہو جاتے ہیں ان کو کانٹے سے تو کیا پیر میں چاقو لگ جانے سے بھی ایذا نہ ہوگی(۷) اور اس کے مقابل ایک نازک اندام، لطیف المزاج شخص کے پیر میں ذرا سی پھانس لگ جائے تو اسے کیا کچھ ایذا ہوگی۔

مرزا صاحب کی لطیف مزاجی

میں نے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے مرزا صاحب کی حکایت سنی ہے

(۱)''بڑی بھاری بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے وہ لوگ بالکل جھوٹ بکتے ہیں'' (الکہف:۵
(۲)پریشانیوں(۳) مقدار و کیفیت میں (۴) تکلیف (۵)اثر کرنے والا متاثر ہونے والا اور وجہ تاثر
(۶)فرق پڑ جاتا ہے(۷) تکلیف۔

کہ تھانہ بھون کے ایک رئیس حضرت کی خدمت میں زیارت کے لئے حاضر ہوئے تھے ان کے ساتھ ان کے ایک مصاحب بھی تھے وہ جو کسی ضرورت سے اٹھ کر گئے اور ادھر پشت ہوئی مرزا صاحب نے اس وقت ان کے پاجامہ کے نیفے میں سلوٹیں بیڈھنگی طرح پڑی ہوئی دیکھیں۔ مرزا صاحب نے ان رئیس سے فرمایا تمہارا ان کے ساتھ کیسے گذر ہوتا ہے جن کو پاجامہ پہننا بھی نہیں آتا دیکھو تو نیفے میں سلوٹیں کس طرح پڑی ہوئی ہیں کہ ایک طرف کم ایک طرف زیادہ۔

ایک مرتبہ مرزا صاحب مراد آباد تشریف لے گئے تھے وہاں کا قصہ ایک صاحب نے بیان کیا کہ ان کے واسطے ایک نواب کے یہاں سے چارپائی منگائی گئی مگر ان کو نیند نہیں آئی پوچھنے پر آپ نے فرمایا چارپائی میں کان ہے(۱) اس کی ناگواری سے نیند نہیں آئی ناپ کر دیکھا تو واقعی تھی مگر بہت ہی خفیف کہ مشکل سے پتہ لگا ایک بار اور بھی ایسا ہی ہوا کہ صبح کو خدام کے دریافت کرنے پر فرمایا ہاں کچھ خنکی(۲) کا اثر معلوم ہوا تھا اس لئے نیند نہیں آئی اس وقت مجلس میں ایک بڑی بی موجود تھی انہوں نے حاضران مجلس سے خطاب کر کے کہا کہ حضرت کے واسطے دلائی (۳) میں تیار کروں گی کوئی اور صاحب فکر نہ کریں چنانچہ اس نے دن بھر میں محنت کر کے دلائی تیار کی اور عشاء کے بعد جب آپ لیٹ گئے اس وقت لیکر حاضر ہوئی حضرت نے فرمایا کہ میرے اوپر ڈالدو وہ ڈال کر چلی گئی صبح کو اٹھے تو آنکھوں میں پھر بھی جاگنے کی سرخی موجود تھی خدام نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ دلائی اوڑھنے سے خنکی تو معلوم نہیں ہوئی مگر اس میں نگندے(۴) ٹیڑھے پڑے ہوئے تھے اس سے ایسی الجھن ہوئی کہ نیند پھر بھی نہ آئی۔ بھلا لحاف میں منہ لپیٹ کر نگندوں کا

(۱) پلنگ ٹیڑھا ہے (۲) ٹھنڈ لگ رہی تھی (۳) اوڑھنے کے لئے رزائی (۴) ٹیڑھی ڈوری پڑی ہوئی تھی۔

ٹیڑھاپن محسوس ہوجائے یہ عجائبات میں سے ہے مگر اس واقعہ کے راوی بڑے بڑے ثقات ہیں اس لئے انکار نہیں ہوسکتا پھر گندوں کے ٹیڑھے ہونے سے نیند نہ آنا یہ غایت لطافت مزاج ہے۔ نیز مرزا صاحب کے لئے لکڑیوں کی آگ میں کھانا نہ پکتا تھا کیونکہ اس میں دھواں ہوتا ہے جس کی تلخی آپ کو کھانے میں محسوس ہوتی تھی انگاروں پر کھانا پکتا تھا ایک دن غلطی سے ایک کوئلہ کچا رہ گیا جس نے دھواں دیا۔ مرزا صاحب نے کھاتے ہی فرمایا کہ کھانے میں دھوئیں کی تلخی ہے اس حالت میں اگر مرزا صاحب یہ فرمائیں کہ مجھ کو مخلوق سے اس قدر ایذا ہوتی ہے جو کسی مربی یا مصلح کو نہ ہوئی ہوگی تو یقیناً ان کی تصدیق کی جائے گی۔ مرزا صاحب کے واقعات سے اس حدیث کی شرح ہوتی ہے اُذَیْتُ فِی اللّٰہِ مَالَمْ یؤْذَ اَحَدٌ ''مجھ کو اللہ کے راستہ میں اتنی ایذا پہنچائی گئی جو کسی کو بھی نہیں پہنچائی گئی'' جب حضور ﷺ کے خدام میں ایسے ایسے لطیف المزاج گذرے ہیں تو پھر حضور ﷺ کی لطافت کا تو کیا پوچھنا۔

مزاج کا فرق

میں نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے یہ حکایت سنی ہے کہ ایک شخص نے دہلی میں چار حضرات کی دعوت کی تھی جس سے مقصود امتحان تھا اس وقت دہلی میں چار بزرگ موجود تھے۔ ایک حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ایک خواجہ میر درد صاحب ایک مرزا صاحب ایک مولانا فخر نظامی صاحب یہ بزرگ عجیب تھے ان کی وضع حقیقت میں تو شرع کے خلاف نہ تھی مگر ظاہری حالت ان کی ایسی تھی جو لوگوں کو خلاف معلوم ہوتی تھی اہل اللہ میں ایک جماعت ایسی بھی ہوتی ہے جو ظاہری وضع سے ناواقفوں کو خلاف شرع معلوم ہوتے ہیں اُن کو آج کل فرقۂ ملامتیہ کہا جاتا ہے

اور اس میں کوئی اعتراض کی بات نہیں کیونکہ ایک باغ کے پھول مختلف ہوتے ہیں پھل مختلف ہوتے ہیں درخت مختلف ہوتے ہیں بلکہ بعض دفعہ خود ایک ہی درخت کے پھل مختلف ہوتے ہیں ایک شاخ کا پھل شیریں ہے(۱) اور دوسری شاخ کا ترش ہے(۲) یہی حال خدا تعالیٰ کے باغ کا ہے اس میں مختلف درخت اور مختلف پھل ہیں بلکہ حق تعالیٰ کے باغ کی ایک عجیب شان یہ ہے کہ ایک ہی درخت مختلف موسموں میں مختلف قسم کے پھل لاتا ہے عارفین پر مختلف حالات گذرتے ہیں اور یہ تلوین(۳) ناقصین ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ تلوین کاملین کو بھی پیش آتی ہے یہاں تک کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی پیش آتی ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی مختلف حالتیں

حضرت یعقوب علیہ السلام کی شیخ شیرازی نے یہ حالت لکھی ہے ۔

گہے بر طارمِ اعلیٰ نشینم گہے بر پشتِ پائے خود نہ بینم (۴)

ایک تو وہ وقت تھا کہ مصر سے قاصد پیراہن یوسفی لیکر چلا اور کنعاں میں آپ کو اس کی خوشبو پہنچ گئی اور حاضرانِ مجلس سے فرمادیا: ﴿ اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ لَوْلَا اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴾ یعنی اگر تم یہ نہ کہو کہ بڑھاپے سے حواس میں فتور آ گیا ہے تو میں ایک بات کہوں وہ یہ کہ مجھے یوسف علیہ السلام کی خوشبو آرہی ہے یہاں تو مصر سے پیراہن کی خوشبو کا احساس ہوگیا اور ایک وہ وقت تھا کہ خود یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے کنعان کے جنگل میں ایک کنویں کے اندر قید کردیا اور چند

(۱) میٹھا (۲) کھٹا (۳) حالات کا تغیر (۴) ’’کبھی تو بلند ترین مقام پر بیٹھتا ہوں کبھی اپنے پشت پا پر بھی اپنے کو نہیں دیکھتا‘‘۔

روز تک وہ اسی میں رہے۔ مگر یعقوب علیہ السلام کو خبر نہ ہوئی یہ بھی خبر نہ تھی کہ یوسف علیہ السلام زندہ ہیں یا نہیں صدمہ فراق میں اتنا روئے کہ آنکھیں جاتی رہنے کے قریب ہوگئیں اس کے متعلق کوئی روایت تو نہیں ہے کہ یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں رونے سے نابینا نہ ہوئی تھیں بلکہ صرف کمزور ہوگئی تھیں مگر بعض مفسرین نے وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ ''اوران کی آنکھیں سفید ہوگئیں'' کی یہی تفسیر کی ہے اور درایت سے راجح یہی ہے۔ درآیت یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام ایسے عیوب سے منزہ ہوتے ہیں جو عرفاً عیب شمار ہوں کیونکہ یہ امر متکبرین کو اتباع سے مانع ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کی بعثت اسی غرض کے لئے ہوتی ہے لوگ ان کی اتباع کریں چنانچہ ارشاد ہے: وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ''نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اس لئے کہ تاکہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے حکم سے'' جس کے لوازم میں سے ہے موانع اتباع کو(۱) مرتفع کردینا اس لئے انبیاء علیہم السلام میں کسی ایسے عیب کا ہونا جو عرفاً متکبرین کو اتباع سے مانع ہو(۲) اس آیت کے خلاف ہے (مگر بعض مفسرین نے آیت کو ظاہر پر رکھا ہے کہ بیاضِ عین سے متبادر یہ ہے کہ بینائی بالکل زائل ہوگئی تھی اور اس کے بعد فَارْتَدَّ بَصِيْرًا (پس فوراً ہی ان کی آنکھیں کھل گئیں) سے بھی بظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے اور اس آیت کا جواب دیا ہے کہ عرفاً نابینائی سبب عار وہ ہے(۳) جو خلقی ہو اور کسی عارض سے نابینا ہوجانا سبب عار نہیں جیسے پیدائشی لنجا ہونا(۴) عیب ہے اور لڑائی وغیرہ میں ہاتھ کٹنے سے لنجا ہوجائے تو عرفاً یہ عیب نہیں۔

(۱) اتباع کرنے میں رکاوٹیں دور کرنا (۲) اتباع کرنے سے روکے (۳) شرمندگی کا باعث تب نابینا ہونا ہے جو پیدائشی ہو (۴) پیدائشی ٹونڈا۔

یحییٰ علیہ السلام کا حال

اور اسی واسطے یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں جو حصور آیا ہے اس کی تفسیر بعضوں نے عنین (۱) سے کی ہے محققین نے اس کو غلط بتلایا ہے اور دلیل یہی بیان کی ہے کہ انبیاء علیہم السلام ایسے عیوب سے منزہ ہوتے ہیں بلکہ حصور کے معنی ہیں نفس کو روکنے والا یعنی یحییٰ علیہ السلام اپنی نفسانی خواہشوں کو دبانے والے ہوں گے اس لئے وہ کسی عورت سے نکاح نہ کریں گے اور لغت سے اس معنی کی تائید ہوتی ہے کیونکہ حصر کے معنی روکنے کے ہیں۔ حصور اسی سے مبالغہ کا صیغہ ہے اس کے معنی میں عنین کہنا صحیح نہیں۔

عیسٰی علیہ السلام کا حال

باقی ان کے نکاح نہ کرنے سے اس پر استدلال نہیں ہوسکتا کیونکہ عیسٰی علیہ السلام بھی اس صفت میں مثل یحییٰ علیہ السلام کے تھے کہ انہوں نے بھی عمر بھر نکاح نہیں کیا (ان کی شریعت میں قادر علی النفس کے لئے اشتغال بالطاعات اشتغال بالنکاح (۲) سے افضل تھا جیسا کہ ہماری شریعت میں بھی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہی افضل ہے مگر امام ابوحنیفہ نے اس کی مخالفت کی ہے ان کے نزدیک اشتغال بالنکاح افضل ہے (۳) بشرطیکہ مہر ونفقہ پر حلال طریقہ سے قادر ہو مگر حدیث میں ہے کہ نزول من السماء (۴) کے بعد وہ نکاح کریں گے (اِتِّبَاعًا لِسُنَّةِ نَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِيْهِ تائيدٌ لِقَوْلِ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَ اللّٰهُ اَنَّ فِىْ شَرْعِنَا الْاِشْتِغَالُ بِالنِّكَاحِ اَفْضَلُ لَوْكَانَ كَمَا يَقُوْلُ السَّيِّدُ الشَّافِع رَحِمَهُ اللّٰهُ

(۱) نامرد (۲) عبادت میں مشغول ہونا نکاح سے افضل تھا (۳) امام صاحب کے نزدیک نکاح میں مشغولیت عبادت میں مشغولیت سے افضل ہے (۴) آسمان سے دنیا میں آنے کے بعد نکاح کریں گے۔

لَبَقٰی عِیسٰی عَلَیۡهِ السَّلَامُ عَلٰی شَرۡعَةٍ (ہمارے نبی کریم ﷺ کی سنت کی اتباع کرتے ہوئے اس میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تائید ہے کہ ہماری شریعت میں اشتغال بالنکاح افضل ہے ایسا ہوتا جیسا کہ سید شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تو عیسیٰ علیہ السلام اپنی شریعت پر باقی رہتے)۔

اوراس کے ساتھ یہ لفظ بھی ہے وَیُوۡلَدُ لَهٗ یعنی نکاح کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کے بعد اولاد بھی ہوگی معلوم ہوا کہ قوت رجولیت (۱) ان میں موجود تھی مگر پہلے کام نہ لیا اب کام لیں گے بوجہ اتباع شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ اس شریعت میں اشتغال بالطاعات سے اشتغال بالنکاح افضل ہے (۲) پس یحییٰ علیہ السلام کا نکاح نہ کرنا دلیل عنیت (۳) نہیں ہوسکتا۔ حضرت شعیب علیہ السلام کے متعلق بھی سیر میں ہے کہ وہ نابینا تھے مگر سوائے روایت سیر کے اس پر کوئی دلیل نہیں اس لئے اس کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس سے متکبرین کے لئے اتباع سے ایک مانع ہوگا۔

انبیاء واولیاء مبلغین کا عالی نسب ہونا

اور اسی لئے حق تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام کو اعلیٰ نسب اور اعلیٰ خاندان میں مبعوث فرمایا ہے تاکہ کسی کو اتباع سے عذر کرنے کا موقع نہ رہے۔ اولیاء تو چھوٹی قوموں میں ہوسکتے ہیں بلکہ زیادہ ہوتے ہیں مگر انبیاء چھوٹی قوموں میں کبھی نہیں ہوئے اور تجربہ سے معلوم ہوا کہ چھوٹی قوموں میں جو اولیاء ہوئے ہیں وہ زیادہ تر وہی ہیں جن کے متعلق ارشاد وتبلیغ کا زیادہ کام نہیں ہوتا اور جن اولیاء کے

(۱) مردانہ قوت (۲) نکاح میں مشغولیت عبادت میں مشغولیت سے افضل ہے (۳) نامرد ہونے کی دلیل نہیں۔

متعلق زیادہ تر ارشاد وتبلیغ کا کام ہوتا ہے وہ چھوٹی قوموں میں نہیں ہوتے بلکہ اکثر خاندانی لوگ ہوتے ہیں جو نسب میں ممتاز ہوں اس نکتہ پر مجھے ایک بزرگ نے متنبہ کیا جن کا نام حاجی عبداللہ تھا وہ کرانہ کے رہنے والے تھے اور قوم کے گوجر تھے بہت نیک آدمی تھے اور بالکل ان پڑھ میں ایک مرتبہ ان کے سامنے اپنی قوم کی یعنی شیخزادوں کی مذمت کررہا تھا کہ اس قوم میں ہوشیاری چالاکی تکبر بہت ہے اسی قسم کی باتیں میں کرتا رہا تھا وہ بزرگ کہنے لگے کہ تم نے اس قوم کے عیوب تو گنوادیئے خوبیاں بھی تو گنواؤ، میں نے کہا حضرت وہ آپ بیان کردیجئے کہنے لگے کہ میں جاہل آدمی ہوں اور کچھ تو جانتا نہیں مگر اتنی بات تو میں دیکھتا ہوں کہ اس زمانہ میں جن بزرگوں کے ہاتھ سے دین کی خدمت واشاعت ہوئی ہے اور جن کے فیض سے مخلوق کی اصلاح زیادہ ہوئی ہے وہ اکثر اسی قوم میں سے ہیں پھر چند بزرگوں کے نام گنائے جو سب شیخ زادے ہی تھے پھر جو میں نے غور کیا تو یہ بات صحیح معلوم ہوئی اور راز اس میں یہ ہے کہ جو حضرت خدمت ارشاد پر ہوتے ہیں وہ انبیاء علیہم السلام کی طرح مقتدا ہوتے ہیں اس لئے انبیاء کی طرح ایسے اولیاء بھی اکثر خاندانی اور شریف النفس ہوئے ہیں تاکہ ان کی اقتداء سے متکبرین کو عار نہ ہو بخلاف ان اولیاء کے جن میں مقتدائیت کی شان نہیں ہوتی تو وہ چھوٹی قوموں میں ہوتے ہیں بلکہ زیادہ ہوتے ہیں۔

انبیاء کی مختلف شانیں

الغرض یعقوب علیہ السلام کے متعلق بعض محققین کی رائے یہی ہے کہ وہ نابینا نہ ہوئے تھے بلکہ روتے روتے بینائی کمزور ہوگئی تھی۔ انہوں نے اَبْیَضَّتْ عَیْنٰہ (ان کی آنکھیں سفید ہوگئیں) کو ضعف بصر پر محمول کیا ہے اور فَارْتَدَّ بَصِیْرًا

اس ضعف کا زوال مراد لیا ہے وَلَایَبْعُدُ اَرَادَتُہٗ لِلْحِکْمَۃِ الَّتِی۔ ذَکَرْنَا ھَا ’’نہیں بعید ہے مراد لینا اس حکمت کی وجہ سے جس کو ہم نے ذکر کیا ہے‘‘ پس فوراً ہی ان کی آنکھیں کھل گئیں تو دیکھئے یعقوب علیہ السلام کو ابتداء میں یوسف علیہ السلام کی اطلاع نہیں ہوئی کہ وہ کس حال میں ہیں حالانکہ اس وقت وہ کنعان ہی کے کنویں میں تھے پھر اس کے بعد عرصہ تک معلوم نہ ہوا کہ کہاں ہیں کس حال میں ہیں اور بعد میں مصر سے قمیص کے روانہ ہوتے ہی خوشبو پہنچ گئی اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی ایک وقت میں اور شان تھی اور ایک وقت میں اور شان تھی یہی میں کہہ رہا تھا کہ تلوین انبیاء علیہم السلام کو بھی پیش آئی ہے ایک نبی کو مختلف اوقات میں مختلف حالات پیش آتے تھے اور یہ بات سالکین کو بھی پیش آتی ہے رہا چند انبیاء کے حالات میں اختلاف ہونا تو یہ مشاہد ہے کسی میں کوئی رنگ غالب تھا کسی میں کوئی رنگ غالب تھا سب کے الوان متحد نہ تھے۔

اولیاء کی مختلف شانیں

پس اسی طرح اولیاء میں بھی مختلف شانیں ہوتی ہیں ان میں ایک شان وہ بھی ہے جو مولانا فخر نظامی کی تھی کہ وہ ایسی وضع سے رہتے تھے جس پر عوام کو خلاف شرع ہونے کا وہم ہوتا تھا مگر واقع میں وہ خلاف نہ تھے اس لئے کسی پر اعتراض کا حق نہیں سب باغ الٰہی کے درخت ہیں کوئی کسی قسم کا کوئی کسی قسم کا۔ اس میں اعتراض کی کیا بات ہے ہاں اعتراض جب ہوسکتا ہے جب حقیقت میں شرع کی مخالفت ہو سو مولانا فخر نظامی ایسے نہ تھے وہ صرف وضع سوز تھے(۱) عزت وہوس کو پھونکنے والے تھے شروع سوز نہ تھے(۲)۔

(۱) وضع قطع کا خیال نہیں رکھتے تھے (۲) ایسا نہیں کہ شریعت کا لحاظ نہ رکھتے ہوں۔

غرض اس شخص نے ان چار حضرات کو دعوت میں جمع کیا جب سب حضرات اس کے گھر پر تشریف لے گئے تو اس نے یہ حرکت کی کہ ان صاحبوں کو بہت اوپر تک بٹھلایا پان وغیرہ سے خاطر تواضع کرتا رہا جب بہت دیر تک بٹھلالیا تو آخر میں سب کو ایک ایک آنہ دیدیا اور کہا کہ حضرت کھانے کا انتظام نہیں ہوسکا یہ ایک آنہ لیجئے اور بازار سے کچھ لیکر کھالیجئے خواجہ فخر نظامی نے تو ایک آنہ کے پیسے سر پر رکھے اور داعی کو بہت دعائیں دی۔ اور خواجہ میر درد اور شاہ ولی اللہ صاحب نے نہ دعائیں دی نہ برا بھلا کہا نہ پیسوں کو سر پر رکھا دونوں خاموش چلے گئے خواجہ میر درد محض شاعر ہی نہیں ہیں بلکہ بڑے کامل ولی ہیں ان کی کتاب علم الکتاب دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت بڑے عارف ہیں اس کتاب میں انہوں نے معارف منازل بہت تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ اور مرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اس بیہودہ حرکت سے سخت تکلیف پہنچی مگر بہت تحمل سے کام لیا عارفین لطافت مزاج کے ساتھ متحمل بھی دوسروں سے زیادہ ہوتے ہیں اس موقع پر اگر کوئی دوسرا شخص ہوتا جو مرزا صاحب کی برابر نازک مزاج ہوتا تو نہ معلوم کیا آفت برپا کرتا مگر آپ کے چہرہ پر بل بھی نہ پڑا پیسے لیکر اتنا فرمایا کہ میاں بزرگوں کا امتحان نہیں لیا کرتے نہ معلوم کس وقت کیسا وقت ہے۔ اس واقعہ میں ظاہر بینوں کو خواجہ فخر نظامی کی حالت رفیع (۱) معلوم ہوتی ہوگی کہ ان کو ناگوار واقعہ سے ایذا ہی نہ ہوئی بلکہ فرحت و مسرت ہوئی جس سے معلوم ہوا کہ وہ اس واقعہ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے سمجھتے تھے اور ہر چہ از دوست میرسد نیکوست (جو کچھ محبوب کی طرف سے پہنچے وہ بہت ہے) کا ان کو مشاہدہ تھا اور ان کی یہ حالت تھی ۔

(۱) بلند۔

چو گزندت رسد زخلق مرنج — کہ نہ راحت رسد خلق نرنج(۱)

از خداداں خلاف دشمن دوست — کہ دلِ ہر دو در تصرف اوست(۲)

اور اسی کی نظیر یہ ہے کہ بعض عارفین کے کسی عزیز کا انتقال ہوگیا تو وہ ہنستے تھے اور بعض عارفین کو رنج وغم ہو اور روتے رہے تو ظاہر بین پہلے شخص کو دوسرے سے افضل سمجھتے ہیں مگر واقع میں کمال یہ ہے کہ رنج کی بات سے رنج ہو پھر اس پر صبر ورضا حاصل ہو پس وہ عارف جس کو اپنے عزیز کے مرنے سے صدمہ ہوا اور وہ اس پر صبر کر کے راضی برضائے الٰہی رہا اس سے اکمل ہے جس کو رنج ہی نہ ہوا بلکہ برعکس مسرت ہوئی اسی طرح اس واقعہ میں کمال حضرت مرزا صاحب کا ظاہر ہوا کہ باوجود ایذاء شدید پہنچنے کے نہایت تحمل سے کام لیا چہرہ پر بل بھی نہیں پڑا اور محض اس شخص کی اصلاح کیلئے اتنی بات پر اکتفا کیا کہ بزرگوں کا امتحان نہیں لیا کرتے نہ معلوم کس وقت کیسا وقت ہے اور یہ بات ایذا کی بات سے ایذا ہی نہ ہو(۳) یہ غلبۂ حال ہے جس نے اقتضاءات بشریہ کو زائل یا مضمحل کر دیا ہے(۴) اور کمال مقصود یہ ہے کہ اقتضاء ات بشریہ سب بدرجۂ کمال موجود ہوں پھر مستقل رہے کہ شریعت سے تجاوز نہ ہو اور یہ بات مرزا صاحب کو حاصل تھی کہ ان میں اقتضاء بشری بھی بدرجۂ کامل موجود تھا اور اتباع شرع بھی کامل تھا۔ تکلیف کی بات سے ان کو کلفت ہوتی تھی اور پھر صبر فرماتے اور تحمل سے کام لیتے تھے تو اس واقعہ میں مولانا فخر نظامی، صاحب حال تھے اور بقیہ حضرات صاحب مقام تھے اور ان میں حضرت

(۱) ''جب مخلوق سے تجھ کو تکلیف پہنچے تو رنج مت کر کہ مخلوق سے نہ راحت پہنچتی ہے نہ رنج (۲) ''خدا کی طرف سے دوست کی مہربانی اور دشمن کی دشمنی کو سمجھ کہ دونوں کے دل اسی کے تصرف میں ہیں'' (۳) تکلیف دہ بات سے تکلیف ہی نہ ہو (۴) غلبہ حال کی وجہ سے اس کے بشری تقاضے کمزور ہوگئے ہیں۔

مرزا صاحب کو چونکہ لطافت مزاج کی وجہ سے ایذا زیادہ پہنچی اس لئے ان کا تحمل سب کے تحمل سے بڑھا ہوا تھا۔

راضی برضاء کی حقیقت

اور یہ جو کہا گیا ہے۔ ''چو گزندت رسد زخلق مرنج'' (اگر تجھ کو مخلوق سے تکلیف پہنچے رنج مت کر) اس کا مطلب یہ ہے کہ عقلی رنج نہ ہونا چاہیئے یہ مطلب نہیں کہ طبعی رنج بھی نہ ہونا چاہیئے اسی طرح ''ہر چہ از دوست میرسد نیکوست'' کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ پیش آوے اس کو عقلاً بہتر سمجھنا چاہیئے اور یہ سمجھ کر اس پر راضی رہنا چاہیئے یہ مطلب نہیں کہ بیماری اور صحت کو یکساں سمجھا کرو دونوں میں کچھ فرق ہی نہ کرو غرض آثار بشریہ کا زائل یا مضمحل ہو جانا کمال نہیں بلکہ ان کا بدرجۂ کمال موجود ہونا ہے اور پھر مستقل رہنا یہ کمال ہے چونکہ حضور ﷺ میں روحانی آثار بشریہ بھی بدرجہ کمال موجود تھے اس لئے آپ کو ایذا کی بات سے ایذا ہوتی تھی رنج کی بات سے رنج بھی ہوتا تھا پھر لطافت مزاج کی وجہ سے آپ کو دوسروں سے زیادہ رنج ہوتا تھا پھر سب باتوں پر صبر و تحمل فرمانا اور اخلاق میں تغیر نہ آنا یہ آپ کا غایت درجہ کمال تھا اگر آپ کو ایذا اور رنج ہی نہ ہوتا تو پھر اخلاق میں تغیر نہ آنا بڑا کمال نہ تھا کمال یہی ہے کہ ایذا کا احساس کامل ہوا پھر بھی اخلاق کریمانہ میں ذرا تغیر نہ آیا۔

کمال کی حقیقت

اور یہاں سے ان لوگوں کی غلطی معلوم ہوگئی جو اس کی تمنا کرتے ہیں کہ ہمارے نفس میں دنیا کی طرف میلان ہی نہ رہے گناہ کا وسوسہ بھی نہ آئے بس بالکل

پتھر بن جائیں کہ کسی حسین کو دیکھ کر میلان ہی نہ ہو سو یاد رکھو یہ کمال نہیں کمال یہی ہے کہ آثار بشریت اور قوت میلان کے ہوتے ہوئے پھر مستقل رہو مولانا فرماتے ہیں ؎

شہوت دنیا مثال گلخن است — کہ ازو حمام تقویٰ روشن است (۱)

یعنی شہوت دنیا کی ایسی مثال ہے جیسے حمام کے لئے ایندھن اور ظاہر ہے کہ حمام بدون ایندھن کے گرم نہیں ہوسکتا اسی طرح تقویٰ کے حمام کی گرم بازاری اسی شہوت دنیا سے ہے تو یہ شہواتِ دنیا موجب نقص نہیں بلکہ یہی موجب کمال ہیں ٹاٹ کا پردہ زانی نہ ہو تو کیا کمال ہے (۲) اندھا نظر بد نہ کرے تو کیا کمال ہے وہ تو دیکھنا بھی چاہے تو آنکھیں کہاں سے لائے۔ لنگڑا آدمی ناچ میں نہ جائے تو کیا کمال ہے کمال یہی ہے کہ خدا نے تم کو آنکھیں دی ہیں اور پھر تم غیر محل میں ان کو استعمال نہیں کرتے قوت رجولیت دی ہے اور محل حرام میں اس کو صرف نہیں کرتے چلنے کے لئے پیر دئے ہیں پھر بھی ناچ میں نہیں جاتے حسن کا ادراک اور اس کی طرف میلان طبیعت میں ہے پھر بھی نامحرم کو آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے اور جس کو حسن کا ادراک ہی نہ ہو اس کا نہ دیکھنا کیا کمال ہے۔ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار ارشاد فرمایا کہ میاں اشرف علی پانی جب پیو ٹھنڈا پینا ہر بُن مو سے الحمد للہ نکلے گا اور گرم پانی پیکر زبان تو الحمد للہ کہے گی مگر اندر سے دل ساتھ نہ دے گا پھر فرمایا جس طرح ٹھنڈا پانی نعمت ہے اسی طرح پیاس بھی نعمت ہے کیونکہ اس سے نعمت کی قدر ہوتی ہے سبحان اللہ یہ ہیں علوم اس ارشاد سے پیاس کا نعمت ہونا معلوم ہوا حالانکہ وہ بھی آثار بشریت اور شہوات دنیا میں سے ہے۔

(۱) ''شہوت دنیا بمنزل کوڑا کرکٹ کے ہے اسی سے تو حمام تقویٰ کی گرم بازاری ہے'' (۲) جس شخص میں زنا کی صلاحیت نہ ہو وہ زنا نہ کرے تو کیا کمال ہے۔

اکمل حالت

پس حضور ﷺ کے اندر آثار بشریت کا ہونا بھی موجب کمال تھا اگر آپ میں آثار بشریت نہ ہوتے تو پھر کفار کی ایذاؤں پر صبر کرنا زیادہ موجب کمال نہ ہوتا اس مسئلہ میں زیادہ تفصیل میں نے اس لئے کی کہ شاید کسی کو بعض مغلوب الحال اولیاء کے واقعات سن کر اور یہ دیکھ کر کہ ان کو ایذا رساں واقعات سے ایذا ہی نہ ہوتی تھی یہ شبہ ہو جائے کہ یہ حالت اکمل ہے تو وہ خوب سمجھ لیں کہ یہ حالت اکمل نہیں بلکہ اکمل یہی حالت ہے کہ آثار بشریت موجود رہتے ہوئے پھر ان پر قابو یافتہ ہو اور ظاہر ہے کہ جس شخص میں بشریت کے ساتھ لطافت کامل ہوگی اس کو ناگوار باتوں سے ایذا زیادہ ہوگی چونکہ ہمارے حضور ﷺ میں کمالات نبوت کے ساتھ لطافت بھی سب انبیاء سے زیادہ کامل تھی اس لئے آپ کو سب سے زیادہ اذیت پہنچی۔

حضور ﷺ کی شفقت

اب دوسری علت آپ کی اذیت کی عرض کرتا ہوں جو نظر غائر سے معلوم ہوتی ہے گو وہ بھی نصوص ہی سے مفہوم ہے مگر قدرے استنباط کی حاجت ہے اور یہی وہ بات ہے جس کے متعلق شروع میں کہا گیا تھا کہ نظر غائر سے آپ کی اصلی کلفت روحانی تھی اور وہ یہ ہے کہ آپ کو امت کے ساتھ شفقت بیحد تھی جو جابجا آیات سے بھی معلوم ہوتی ہے اور پھر اس کے دو درجے ہیں ایک تو اپنی امت کی مطلق تکلیف سے قلق یہ تو منصوص ہے(۱) دوسرا درجہ یہ کہ وہ تکلیف میرے سبب سے ہو کہ وہ میری تکذیب کریں اور معذب ہوں تو گویا میری وجہ سے ان کو عذاب ہوگا

(۱) امت کی تکلیف پر رنج ہونا تو قرآن وحدیث میں ہے۔

بس یہ خیال کہ میری وجہ سے مخلوق کو عذاب ہوگا آپ پر پہاڑ سے زیادہ گراں تھا اور یہ درجہ محتاج استنباط ہے حدیثوں میں یہ تو تصریح ہے (مَا انْتَقَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِنَفْسِہٖ فِیْ شَیْءٍ قَطُّ) متفق علیہ ''رسول اللہ ﷺ نے اپنے نفس کی وجہ سے کبھی انتقام نہیں لیا (بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے) اور طائف کے واقعہ میں وارد ہے کہ جب وہاں آپ کو کفار نے تکلیف دی تو جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا: ﴿اِنَّ اللّٰہَ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ وَمَا رَدُّوْا عَلَیْكَ﴾ ''تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہاری قوم کا قول سن لیا اور جو انہوں نے تم پر رد کر دیا اس کو بھی سن لیا''

اور یہ بھی کہا کہ یہ پہاڑوں کا فرشتہ حاضر ہے آپ اس کو جو حکم دیں گے عمل کرے گا۔ خود اس فرشتہ نے عرض کیا کہ میں ان کو پہاڑوں کے درمیان دبادوں آپ نے فرمایا: (بَلْ اَرْجُوْ اَنْ یُّخْرِجَ اللّٰہُ مِنْ اَصْلَا بِہِمْ مَنْ یَّعْبُدُ اللّٰہَ) (متفق علیہ) ''بلکہ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کے اصلاب سے ایسے لوگ پیدا کریں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں''۔

اس میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی وجہ سے بھی کسی کی تکلیف گوارا نہ تھی اور بعض جگہ جو آپ سے بدعا منقول ہے وہ کسی عارض سے ہے اصل و غالب مذاق حضور اقدس ﷺ کا یہی تھا۔ شاید کسی ذہین کو یہاں یہ شبہ ہو کہ اس میں غم کی کیا بات تھی یہ تو حق العبد تھا آپ معاف فرمادیتے تو کچھ بھی مواخذہ نہ ہوتا۔ تو بات یہ ہے کہ اول تو آپ کی ایسی مخالفت درجہ کفر میں تھی آپ کفر کو کیسے معاف فرماتے۔

محبوبیت کے درجے

دوسری یہ کہ محبوبیت کے درجے ہوتے ہیں ایک درجہ محبوبیت کا یہ ہے کہ

محبوب کے ایذا دینے والے سے ہر حال میں مواخذہ ہوتا ہے محبوب معاف بھی کردے جب بھی جرم معاف نہیں ہوتا علاوہ ازیں یہ کہ حق العبد میں حق اللہ بھی ہوتا ہے وہ عبد کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہوتا اس نکتہ سے اکثر لوگ غافل ہیں عام طور پر لوگوں کا یہ خیال ہے کہ حق العبد میں محض بندہ ہی کا حق ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا حق نہیں ہوتا یہ غلط ہے کیونکہ بندہ کا وہ حق اللہ تعالیٰ ہی نے تو مقرر فرمایا ہے مثلاً حکم دیا کہ مظلوم کی امداد کرو کسی مسلمان کی غیبت نہ کرو کسی کو ایذا نہ دو تو جب ان احکام کے خلاف کسی کو ایذا دی جائے گی تو جیسے بندہ کا حق فوت کیا ایسے ہی خدا تعالیٰ کا حق بھی فوت کیا ہے کہ ان کے حکم کی مخالفت کی اس لئے حقوق العباد تلف کرنے میں محض بندوں کی معافی کافی نہیں بلکہ حق تعالیٰ سے بھی توبہ واستغفار کرنا چاہیئے۔ تو اگر حضور ﷺ کی معافی سے آپ کا کوئی حق جو معافی کے قابل ہوتا معاف بھی ہوجاتا تو حق اللہ تو پھر بھی باقی تھا جس کی وجہ سے مواخذہ ہوسکتا تھا (اور گو عام حقوق العباد میں بندہ کی معافی کے بعد حق تعالیٰ اکثر اپنا حق بھی معاف کردیتے ہیں مگر بعض اوقات محبوبان خاص کی حق تلفی میں ان کی معافی کے بعد حق تعالیٰ اپنا حق معاف نہیں فرماتے بلکہ مواخذہ ضرور ہوتا ہے) تو حضور ﷺ کو ان لوگوں کی اس حالت سے رنج ہوتا تھا۔

اولیاء کو ایذا دینے والے پر قہر الٰہی

اور بھلا حضور ﷺ کی تو بڑی شان ہے حضرت اولیاء اللہ میں بعض بزرگ ایسے محبوب ہوئے ہیں کہ ان کے ایذا دینے والوں پر قہر حق متوجہ ہوتا تھا اور باوجودیکہ وہ سب کو معاف کردیتے تھے اور حق تعالیٰ سے درخواست کرتے تھے کہ ہماری وجہ سے کسی پر مواخذہ نہ ہو مگر یہ درخواست قبول نہ ہوتی تھی چنانچہ حضرت

مرزا جانجاناں رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قصہ اور یاد آیا کہ آپ لوگوں سے بہت کم ملتے تھے کسی نے اس کی وجہ دریافت کی کہ حضرت آپ الگ الگ کیوں رہتے ہیں فرمایا کہ بھائی مجھے لوگوں کی بدتمیزیوں سے بہت تکلیف ہوتی ہے اور میری ایذا کی وجہ سے حق تعالیٰ کا انتقام ان لوگوں پر متوجہ ہوجاتا ہے۔ میں نے بہت دعا کی میری وجہ سے کسی پر بلا نازل نہ ہومگر یہ دعا منظور نہیں ہوتی اس لئے اب میں نے ملنا ہی کم کردیا کہ نہ ملوں گا نہ کوئی مجھے ایذا دیگا نہ میری وجہ سے کسی پر مواخذہ ہوگا۔ سبحان اللہ کیا شان محبوبیت تھی اور مخلوق کے حال پر کس درجہ شفقت تھی واقعی لوگوں کو قہر سے بچانے کی اس کے سوا کوئی صورت نہ تھی کہ آپ ہی ملنا ترک کردیں کیونکہ آپ لطافت فطری اور لطافت ذکری کی وجہ سے اتنے نازک واقع ہوئے تھے کہ لوگوں سے آپ کے مزاج کی رعایت دشوار تھی۔

مرزا صاحب کی فرمائش

اس نزاکت کے متعلق ایک واقعہ اور یاد آیا مرزا صاحب کے ایک مخلص مرید تھے وہ ہر سال میں دوبار حاضر خدمت ہوتے تھے اور کئی کئی دن تک قیام کرتے تھے ایک سال جو حاضر ہوئے تو ان کو محبت کا جوش ہوا مرزا صاحب سے عرض کیا کہ حضرت آپ مجھ سے کوئی فرمائش فرمائیں۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ بھائی کیا فرمائش کروں بس تم محبت سے ملنے آتے ہو یہی کافی ہے اس نے اصرار کیا کہ حضرت نہیں کچھ فرمائش ضرور فرمائیں جب بہت اصرار کیا تو فرمایا اچھا برا تو نہ مانو گے اس نے کہا حضرت بھلا آپ فرمائش فرمائیں اور میں برا مانوں کیا مجال۔ فرمایا بھائی تمہارے اصرار پر فرمائش کرتا ہوں کہ تم میرے پاس سال میں بجائے دو مرتبہ کے ایک مرتبہ آیا کرو۔ وہ بے چارا سہم گیا کہ شاید مجھ سے ناراض ہوگئے ہیں

فرمایا کہ میں ناراضی کی وجہ سے یہ بات نہیں کہتا بلکہ بات یہ ہے کہ تم کھاتے بہت ہو۔ اور تمہیں اتنا کھاتے ہوئے دیکھ کر میری طبیعت خراب ہوجاتی ہے اور اس کے تصور سے میرے پیٹ میں ایسا خلل (۱) واقع ہوتا ہے کہ تمہارے جانے کے بعد مجھے مسہل (۲) لینا پڑتا ہے تو سال میں ایک بار مسہل لے لینا تو آسان ہے دوبار بڑا مشکل ہے۔ اس راز کو سن کر اس شخص کا فرمائش کر کے بہت جی خوش ہوا ہوگا؟ کہ اس سے تو فرمائش ہی نہ کرتا مگر نہیں طالب کی تو یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر شیخ ساری عمر صورت دکھانے کو منع کردے تو اس پر بھی راضی رہے اور یہ کہے ؎

میل من سوئے وصال ومیل اوسوئے فراق
ترک کام خود گرفتم تا بر آید کام دوست (۳)

اور یوں کہے ؎

أُرِيدُ وِصَالَه ويُرِيدُ هِجْرِیْ فَأَتْرُكُ مَا أُرِيدُ لِمَا يُرِيدُ (۴)

حضور ﷺ نے حضرت وحشی بن حرب قاتل حمزہ رضی اللہ عنہما سے جب وہ اسلام لاکر حاضر خدمت ہوئے یہ فرمایا: (هَلْ يَسْتَطِيعُ اَنْ تَغِيبَ وَجْهَكَ عَنِّیْ) (۵) انہوں نے بدل وجان اس ارشاد کو قبول کیا اور عمر بھر آکر صورت نہ دکھائی۔ ہائے کیا ان کے دل پر سانپ نہ لوٹتا ہوگا کیسے کیسے عشق کے شرارے اٹھتے ہوں گے' بھلا صحابی کو حضور ﷺ کے دیدار سے صبر ہوسکے بہت سخت مجاہدہ ہے مگر حضرت وحشی نے طلب رضا کے لئے سب کچھ جھیل لیا اپنی جان پر مشقت گوارا کی

(۱) ایسی خرابی ہوتی ہے (۲) دستوں کی دوا کھانی پڑتی ہے (۳) ''میرا میلان وصل کی طرف اور اس محبوب کا میلان فراق کی طرف ہے میں نے اپنی مراد کو ترک کردیا تا کہ محبوب کی مراد پوری ہوجائے'' (۴) ''میں اس کے وصال کے خواہاں اور وہ میرے ہجر کا خواہاں سو میں نے اپنی مراد کو اس کی مراد کے پورا ہونے کی وجہ سے ترک کردیا'' (۵) ''کیا تم مجھ سے اپنے چہرہ کو غائب رکھ سکتے ہو؟'' الصحیح للبخاری/ ۵/ ۱۲۹۔

مگر حضور ﷺ کو تکلیف نہیں دی کیونکہ ان کی صورت دیکھ کر اپنے چچا کی یاد تازہ ہوتی تھی اسی طرح حضرت مرزا صاحب کے مرید نے اس ارشاد کو بدل وجان قبول کیا بلکہ اگر سچا عاشق ہوگا تو سال میں ایک دفعہ کا آنا بھی ترک کردیا ہوگا یا بہت کھانے کی عادت چھوڑ دی ہوگی۔

طبعی مناسبت

حضرت مرزا صاحب کا ایک اور واقعہ یاد آیا کہ آپ کی خدمت میں مولانا غلام یحییٰ بہاری جن کا حاشیہ رسالہ قطبیہ پر مشہور ہے حاضر ہوئے ان کی ڈاڑھی بہت بڑی تھی کہ ایک مشت سے بھی بہت زیادہ تھی بعض لوگوں کو ڈاڑھی بڑھانے کا شوق ہوا کرتا ہے بس مرزا صاحب کے جو سامنے پہنچے اور آپ کی نظر ان کی ڈاڑھی پر پڑی فوراً آنکھوں پر ہاتھ دھرلیا اور فرمایا جلدی کہو جو کچھ کہنا ہے کیسے آئے ہو عرض کیا کہ بیعت ہونے آیا ہوں فرمایا پیرومرید میں مناسبت شرط ہے اور آدمی اور ریچھ میں کوئی مناسبت نہیں۔ مجھ سے آپ کو فیض نہ ہوگا۔ مولانا غلام یحییٰ نے ایسی بات کب سنی تھی وہ تو مولانا اور مقتدا بنے ہوئے تھے اس جواب پر خفا ہوکر چلے گئے کہ ہم کسی اور سے بیعت ہوجائیں گے کوئی آپ ہی ایک شیخ نہیں رہ گئے کہنے کو تو کہہ گئے مگر سارے جہاں میں مرزا صاحب جیسا کوئی نہ ملا یہ مطلب نہیں کہ دنیا میں کوئی اور شیخ ہی نہ تھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ کسی سے مناسبت نہ ہوئی بس وہ حال تھا ؎

ہمہ شہر پر زخوباں منم وخیال ماہے چہ کنم کہ چشم بدخونہ کند بکس نگاہے(۱)

اور مناسبت کا ہونا نہ ہونا یہ کسی کے اختیار میں نہیں یہ تو عالم ارواح میں

(۱)" سارا شہر حسینوں سے بھرا پڑا ہے میں ہوں ایک حسین محبوب کا خیال ہے بدخو آنکھوں کو کیا کروں کسی کی طرف ایک نظر بھی نہیں دیکھتی"۔

ہوچکی ہے چنانچہ حدیث میں ہے: (اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُجَنَّدَۃٌ مَا تَعَارَفَ مِنْھَا اِئْتَلَفَ وَمَا تَنَاکَرَمِنْھَا اِخْتَلَفَ) ارواح لشکر جمع کردہ ہیں جن میں وہاں آشنائی ہوچکی ہے وہ باہم مالوف و مانوس ہیں اور جن میں وہاں تناکر اور تنافر ہو چکا ہے وہ یہاں بھی اختلاف رکھتے ہیں۔ عورتیں اس مسئلہ کو خوب سمجھتی ہیں جب کسی لڑکی کا نکاح بڑی جگہ ہوجاتا ہے تو ان کو زیادہ رنج نہیں ہوتا بلکہ یوں کہتی ہیں کہ سنجوک یوں ملا ہوا تھا اور کہتی ہیں کہ اللہ میاں نے جوڑیاں بلدی ہیں جس کا جوڑ جس کو بنایا ہے اسی سے نکاح ہوتا ہے۔ اسی طرح مریدیں و مشائخ میں بھی جوڑیاں بلی ہوئی ہیں جس کو جس سے مناسبت ہوتی ہے اسی سے تعلق حاصل کرتا ہے شیخ شمس الدین ترک پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ ترکستان سے شیخ کی تلاش میں چلے مگر کوئی ایسا بزرگ نہ ملا جس سے مناسبت ہو آخر ہندوستان پہنچ کر شیخ علاء الدین صابر رحمۃ اللہ علیہ سے مناسبت ہوئی اور اُن سے ہی فیض ہوا آخر کار مولانا غلام یحییٰ بعد میں پھر آئے اور اس وقت ڈاڑھی ٹھیک کر کے آئے یعنی ایک مشت سے جو زائد تھی اس کو ترشوادیا۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ ہاں اب آدمیوں کی صورت سے آئے ہو اب مجھ سے مناسبت ہوجائے گی۔ چنانچہ بیعت فرمایا اور خانقاہ میں رکھا پھر تو یہ حال ہوگیا ۔

جو لکھا پڑھا تھا نیاز نے اسے صاف دل سے بھلادیا۔

چنانچہ مرزا صاحب سے رخصت ہوکر جب مولانا غلام یحییٰ لکھنؤ پہنچے تو وہاں کسی استاد شاگرد میں رسالہ قطبیہ کے حاشیہ میں ایک مقام پر اختلاف ہورہا تھا ان کو معلوم ہوا کہ خود مصنف لکھنؤ میں آئے ہوئے ہیں تو خیال ہوا کہ چلو مصنف ہی سے اس کو حل کیا جائے یہاں جو آئے اور مولانا کو وہ مقام دکھلایا تو کچھ دیر غور کر کے فرمایا کہ میری سمجھ میں بھی نہیں آیا۔ اللہ اکبر علوم رسمیہ کو کیسا دل سے نکالا کہ اپنی تصنیف کو بھی نہ سمجھ سکے میں مرزا صاحب کی لطافت مزاج کا ذکر کررہا تھا کہ

مولانا غلام یحییٰ کی فوق الحد داڑھی (حد سے بڑھی ہوئی) دیکھ کر آپ پریشان ہو گئے اور بیعت سے انکار کیا۔

غرض اس قدر نازک مزاج تھے کہ بادشاہوں کا دماغ بھی ایسا نازک نہ تھا اور اس میں لطافت ذکر کا بھی اثر تھا اللہ کا نام لینے سے مزاج میں لطافت بڑھ جاتی ہے پھر ایسے شخص کو مخلوق کی بے تمیزی سے کلفت ضرور ہو سکتی ہے اور اس پر حق تعالیٰ کی طرف سے انتقام بھی ہو سکتا ہے اس لئے مرزا صاحب مخلوق سے نہ ملتے تھے۔

حضور ﷺ کی شفقت وخیر خواہی

جب حضور ﷺ کے غلاموں کی لطافت کا یہ حال تھا تو حضور ﷺ کی لطافت کا تو کیا حال ہوگا آپ کی شان تو بہت عالی ورفیع ہے آپ کو ایذا دینے والا مواخذہ حق (۱) سے کب بچ سکتا ہے اس لئے بھی حضور ﷺ کو سخت کلفت ہوتی تھی کہ میری وجہ سے مخلوق پر مواخذہ ہو کیونکہ حضور ﷺ کی شفقت کچھ امت اجابت (۲) کے ساتھ مخصوص نہ تھی امت دعوت (۳) پر بھی آپ کو بیحد شفقت تھی ملا دو پیازہ نے ایک اُل نامہ لکھا ہے اس میں ایک جملہ یہ بھی ہے الرسول خیر خواہ دشمنان (رسول دشمن کے بھی خیر خواہ ہیں) واقعی انبیاء علیہم السلام کی شان یہی ہے کہ وہ دشمنوں سے بھی غایت شفقت وخیر خواہی کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت شعیب علیہ السلام کا ارشاد اپنی قوم کے ہلاک ہونے کے بعد قرآن مجید میں مذکور ہے:

﴿فَتَوَلّٰى عَنۡهُمۡ وَقَالَ يٰقَوۡمِ لَقَدۡ اَبۡلَغۡتُكُمۡ رِسٰلٰتِ رَبِّىۡ وَنَصَحۡتُ لَـكُمۡ‌ۚ فَكَيۡفَ اٰسٰى عَلٰى قَوۡمٍ كٰفِرِيۡنَ﴾ (۴) اس میں فَكَيۡفَ اٰسٰى "سو پھر کیوں رنج

(۱) اللہ کی پکڑ (۲) جنہوں نے آپ کی دعوت کو قبول کیا اور اسلام لے آئے (۳) جن کو آپ نے اسلام کی دعوت دی (۴) "اس وقت شعیبؑ ان سے منہ موڑ کر چلے اور فرمانے لگے کہ اے میری قوم میں نے تم کو اپنے پروردگار کے احکام پہنچا دیئے تھے اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی پھر میں ان کافر لوگوں پر کیوں رنج کروں"۔

کروں‘‘ اپنے دل کو سمجھانے کے لئے فرمایا دراصل ان کو اپنی قوم کی بدحالی پر صدمہ اور رنج تھا جس کو ﴿لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ﴾ ’’میں نے تم کو اپنے پروردگار کے احکام پہنچادیئے تھے اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی‘‘ کے بعد ظاہر کرنا چاہتے تھے مگر بجائے اظہار حزن(۱) کے اپنے دل کو سمجھاتے ہیں کہ کافر قوم پر کیا افسوس کروں اس سے معلوم ہوا کہ آپ کو صدمہ سخت ہوا تھا جس کی وجہ سے دل کو بہلانا پڑا اور حضور ﷺ کے بارے میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ﴾(۲) اس سے صاف ثابت ہے کہ حضور ﷺ کو کفار کی حالت سے بہت صدمہ اور رنج تھا اور ظاہر ہے کہ رنج وہیں ہوتا ہے جہاں شفقت ہو اگر حضور ﷺ کو امت دعوت (۳) کے حال پر شفقت نہ ہوتی تو ان کی بدحالی پر رنج کیوں ہوتا اور بہت آیتوں میں آپ کا حزن مذکور ہے اور احادیث میں تو اس شفقت کی بہت ہی تصریح ہے(۴) چنانچہ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میری اور تمہاری مثال اس شخص جیسی ہے جس نے آگ جلائی جس پر پروانے گرنے لگے اور وہ چاروں طرف سے ان کو ہٹاتا ہے اسی طرح تم سب جہنم کی آگ میں گرنا چاہتے ہو اور میں تمہاری کمر پکڑ کر اس سے ہٹاتا ہوں اور تم میرے ہاتھ سے نکلے جاتے ہو اور اس میں گرتے ہو۔ غرض اس سے حضور ﷺ کو سخت تکلیف ہوتی تھی کہ لوگ اپنے ہاتھوں جہنم میں جاتے ہیں حق تعالیٰ ایک مقام پر

(۱) اظہار غم کے بجائے (۲) ’’ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کو ان کے اقوال مغموم کرتے ہیں سو یہ لوگ آپ کو جھوٹا نہیں کہتے لیکن یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں‘‘ الانعام: ۳۳ (۳) وہ تمام لوگ جن کو دین کی طرف بلایا گیا انہوں نے اس دعوت کو قبول نہیں کیا اس میں قیامت تک کے کفار آ گئے (۴) وضاحت۔

فرماتے ہیں: ﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾ (۱) اور ایک مقام پر ارشاد ہے: ﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا﴾ (۲)۔

تفسیر آیت

غرض مکہ میں آپ کو سخت ایذائیں پہنچتی تھیں جن کے متعلق اس آیت میں حق تعالیٰ نے آپ کی تسلی فرمائی ہے فرماتے ہیں ﴿اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾ ''بلاشبہ سختی کے ساتھ آسانی ہے'' اس میں الف لام عہد کا ہے مطلب یہ ہے کہ جو ایذائیں اس وقت آپ کو دی جارہی ہیں اور جو دشواری اس وقت موجود ہے اس کے بعد آسانی ہونے والی ہے۔ یہ تفسیر حق تعالیٰ نے میرے قلب پر القاء فرمائی ہے۔ اس سے بہت اشکالات رفع ہوگئے اگر لام عہد کے لئے نہ مانا جائے تو ایک اشکال تو یہ ہوتا ہے کہ ہم بہت سی مشکلات کو آسان ہوتے ہوئے نہیں دیکھتے خیر مسلمانوں کے مصائب کے متعلق تو یہ جواب بھی دے سکتے ہیں کہ آخرت میں یسر ہوجائے گا لیکن اگر العسر کو عام رکھا جائے تو اس میں کفار کے مصائب دائمہ بھی داخل ہونگے اور ظاہر ہے کہ اور ان کے مصائب قیامت میں بھی حل نہ ہونگے اب لام کو عہد کے لئے ماننے سے کوئی اشکال نہ رہا۔

سوال

لیکن اس پر یہ سوال باقی رہے گا کہ پھر بزرگوں نے اس کو عام طور پر ہر

(۱) ''سوشاید آپ اگر یہ لوگ ایمان نہ لائے تو اپنی جان دے دیں گے'' الشعراء:۳ (۲) ''سوشاید یہ ان کے پیچھے اگر یہ لوگ اس مضمون پر ایمان نہ لائے تو غم سے اپنی جان دے دیں گے'' الکہف:۶۔

جگہ کیوں پیش کیا ہے جیسا کہ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے آپ سے اپنی پریشانی عرض کی تو آپ نے فرمایا: لَنْ يَّغْلِبَ عُسْرٌ يُسْرَيْنِ ''ایک سختی دو آسانیوں پر ہرگز غالب نہیں آسکتی'' اور ظاہر ہے کہ یہ اشارہ اسی آیت کی طرف ہے کہ ایک عسر دو یُسر پر غالب نہیں آسکتا بوستان کے ان اشعار میں '' کسے مشکلے بر و پیش علی (۱) الخ '' یہی حکایت مراد ہے بعض نے اس حکایت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے جواب میں فرمایا تھا ۔

اِذَا ضَاقَتْ بِكَ الْبُلْوٰى فَفَكِّرْ فِيْ اَلَمْ نَشْرَحْ

فَعُسْرَ بَيْنَ يُسْرَيْنِ اِذَا فَكَّرْتَهٗ فَافْرَحْ (۲)

اس پر ایک شخص نے عرض کیا کہ یوں نہیں بلکہ اس طرح ہونا چاہیئے ۔

فَبَعْدَ الْعُسْرِ يُسْرَانِ اِذَا فَكَّرْتَهٗ فَافْرَحْ

آپ نے قبول فرمایا اور یہ دونوں شعر اس میں تو مشترک ہیں کہ عسر ایک ہے اور یسر دو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اصولی قاعدہ ہے کہ معرفہ کا اعادہ اگر تعریف کے ساتھ ہو وہ عین اول ہوتا ہے اور نکرہ کا اعادہ اگر تنکیر کے ساتھ ہوتا ہے تو وہ غیر اول ہوتا ہے تو آیت میں عُسر تو ایک ہوا اور یُسر دو ہوئے اس میں تو دونوں شعر مشترک ہیں اور اس میں مختلف ہیں کہ یہ دو یسر عسر واحد کے بعد ہیں یا اس کے طرفین میں ہیں مگر اشکال مذکور دونوں صورتوں میں ہے۔

جواب

جواب یہ ہے کہ یہ قول اول تو بطریق اسناد حضرت علیؓ سے ثابت نہیں اور

(۱) کسی نے حضرت علیؓ کے سامنے اپنی مشکل پیش کی (۲) ''جب تجھ کو تنگی آگھیرے تو سورہ الم نشرح میں غور فکر کر کہ اسمیں ایک تنگی دو آسانیوں کے درمیان ہے اس کو سوچ اور خوش ہو''۔

ثابت بھی ہو تو یہ علم اعتبار کے طور پر ارشاد فرمایا ہوگا جس کا حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے معاملات کبھی ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ایک عسر کے ساتھ یا بعد دو یُسر عطا فرماتے ہیں چنانچہ حضور ﷺ کے ساتھ یہ معاملہ نص سے ثابت ہے اور دوسروں سے نفی نہیں تو امید رکھو کہ حق تعالیٰ تم سے بھی یہی معاملہ فرمائیں گے ’’وَاَنَا عِندَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ ‘‘(۱) کو ملا کر یہ مضمون زیادہ قوی ہوگیا کہ اس امید سے ان شاء اللہ تمہارے ساتھ ضرور ایسا ہی معاملہ ہوگا تو اس سے تسلی حاصل کرو یہ حاصل ہوگا حضرت علیؓ کے قول کا تو وہ میری تفسیر کے منافی نہیں۔

آیت میں تکرار کی وجہ

بہرحال اس آیت میں حضور ﷺ کو تسلی ہے۔ نیز میرے ذوق میں ظاہر یہ ہے کہ اس میں ﴿اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا﴾ ’’یقیناً سختی کے ساتھ ہی آسانی ہے‘‘ فرمانے سے یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ شاید کسی خاص نوع عُسر کے زوال (۲) کی خبر دی گئی ہے اس کے بعد یہ فکر ہوتا ہے کہ نہ معلوم کونسی عسر کے زوال کی خبر دی گئی ہے تکرار جملہ سے یہ شبہ رفع ہوگیا اور معلوم ہوگیا کہ ہر قسم کے عُسر کے لئے (۳) آسانی کا وعدہ ہے اور یہ استغراق (۴) عہد کے منافی نہیں مراد افراد معہودہ کا استغراق وعموم ہے اور لفظ مع میں نکتہ یہ ہے کہ گو مراد معنی بعد ہیں مگر لفظ بعد سے یہ وہم ہوتا کہ نہ معلوم کتنی مدت کے بعد یُسر ہوگا اس لئے لفظ مع اختیار فرمایا کہ کچھ زیادہ دیر نہیں ایسی بعدیت ہے کہ گویا معیت ہی ہے۔

---

(۱) میں بندے کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہوں (۲) کسی خاص تنگی کے زائل کرنے کی خبر دی گئی ہو (۳) ہر تنگی کے لئے (۴) ’’العسر‘‘ میں الف لام عہد کے لئے اگر مانا جائے تو اس میں کو ممانعت نہیں۔

مضمون کلی کا اجمالی بیان

یہ گفتگو تو تفسیر کے متعلق تھی اب میں اس آیت سے وہ مضمون بیان کرتا ہوں جو بطور کلیت کے اول میرے ذہن میں آیا تھا اور مضمون کلی سے حدیث: (اِذَا انْتَصَفَ شَعْبَانَ) ''جبکہ آدھا شعبان ہوجائے'' کی تائید بھی ہوجائے گی وہ مضمون کلی یہ ہے کہ ایک ضد کبھی دوسری ضد کے حصول کا سبب ہوجاتی ہے یہ تو ظاہر ہے کہ ضد رافع ضد ہوجائے (۱) (لِاَنَّ الضِّدَّیْنِ لَا یَجْتَمِعَانِ) ''اس لئے کہ دو ضد جمع نہیں ہوا کرتیں''، مگر کبھی ضد جالب (۲) ضد بھی ہوتی ہے گو بواسطہ سہی واقعات میں اس کی نظیر یہ ہے جیسے پیاس لگی جس سے پانی کی تلاش ہوئی اور قاعدہ ہے: ''مَنْ جَدَّ وَجَدَ'' جو کوشش کرتا ہے وہ پالیتا ہے آخر پانی ملا تو پیاس بجھ گئی یہاں پیاس سیرابی کا سبب ہوگئی یہ اجمالی بیان ہے اس مضمون کلی کا۔

اشیاء کی تقسیم

اب میں اول اس کی تفصیل بیان کرتا ہوں پھر آیت سے اس کا تعلق بیان کروں گا پھر اس حدیث کی تفریع اس مضمون کلی پر عرض کروں گا۔ اب سمجھئے کہ ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملا کر جب دیکھا جائے۔ تو اس کی تین حالتیں ہوں گی یا تو دونوں میں مناسبت ہوگی یا منافات ہوگی یا نہ مناسبت ہے، نہ منافات ہے یہ تو مطلق تعلق وعدم تعلق کے اعتبار سے تقسیم تھی اب دوسرے اعتبار سے تقسیم کرتا ہوں یعنی خاص تعلق سببیت کے اعتبار سے وہ یہ کہ ایک شئی یا تو دوسری شئی کے حصول کا سبب ہے یا رفع کا سبب ہے (۳) یا نہ سبب حصول ہے نہ سبب رفع ہے (۴) اس

(۱) ایک ضد اپنی ضد کو اٹھانے والی ہے (۲) دوسری ضد کو لانے والی (۳) حاصل ہونے کا ذریعہ یا عدم حصول کا ذریعہ (۴) نہ حصول کا ذریعہ نہ عدم حصول کا۔

وقت میں ان چیزوں سے تو بحث نہیں کرتا جن میں باہم کوئی علاقہ ہی نہیں ہو نہ مناسبت کا نہ منافات (۱) کا کیونکہ جب ان میں کوئی تعلق ہی نہیں تو سببیت و مسببیت کا تعلق بھی نہ ہوگا اور میں اس وقت اسباب میں گفتگو کر رہا ہوں پس تقسیم اول اور تقسیم ثانی کی ایک ایک شق میری بحث سے خارج ہے صرف ہر تقسیم کی دو شقوں میں گفتگو ہے۔

اب مختصر طور پر یوں سمجھئے کہ اشیاء میں باہم یا مناسبت ہے یا منافات ہے۔ پھر ان میں سے یا تو ایک دوسرے کے حصول کا سبب ہے یا رفع کا۔

احتمال عقلی

غرض دو قسم کی چیزیں ہیں اور دو قسم کے اثر ہیں احتمالات عقلیہ کل چار ہوئے جن کی تفصیل یہ ہے کہ ایک شئی یا دوسرے کی مماثل ہے یا منافی۔ پھر ہر ایک میں دو احتمال ہیں یا تو ایک دوسرے کا جالب ہے یا سالب ہے (۲) تو متماثلین کی بھی دو قسمیں ہوئیں ایک وہ جو مماثل آخر کا جالب ہے۔ دوسرے وہ جو اپنے مماثل کا سالب ہے اسی طرح متنافیین کی بھی دو قسمیں ہوئیں یا تو منافی آخر کا جالب ہے، یا سالب ہے ان چار صورتوں میں دو احتمال تو قرین قیاس ہیں کہ مماثل جالب مماثل ہو۔ اور منافی سالب منافی ہو۔ اور دو بعید از قیاس ہیں کہ مماثل سالب مماثل ہو۔ اور ضد جالب ضد ہو۔ جو صورتیں قرین قیاس ہیں ان کا تو وقوع بکثرت ہے اور ظاہر ہے مثلاً سرد اشیاء (۳) کے استعمال سے کسی شخص کے مزاج میں برودت (۴) کا غلبہ ہوگیا تو مماثل جالب ہوگیا۔ اسی طرح یہ بھی بکثرت واقع ہے

(۱) نہ آپس میں کوئی تعلق اور نہ ہی ایک دوسرے کی ضد (۲) ایک دوسرے کے وجود کا سبب ہے یا عدم کا (۳) ٹھنڈی تاثیر والی چیزیں (۴) مزاج میں ٹھنڈا پیدا ہو۔

کہ برودت کا ہوگیا تو مماثل جالب مماثل ہوگیا۔ اسی طرح یہ بھی بکثرت واقع ہے کہ برودت کا غلبہ تھا اور حرارت سے کام لیا گیا تو ضد رافع ضد ہوگئی۔

علاج بالمثل

مگر عجائب قدرت سے یہ ہے کہ دوسری دوصورتیں بھی واقع ہیں۔ کہ مماثل سالب مماثل ہوا(۱) اور اس کو بھی بعض عقلاء یعنی اطباء نے تسلیم کرلیا ہے چنانچہ دیدک اور طب ہندی کی بنا اسی پر ہے یہ لوگ علاج بالمثل کرتے ہیں یعنی مثلاً حرارت کو یہ حارہ(۲) سے رفع کرتے ہیں اور عجیب بات ہے کہ اس طریق علاج سے بھی نفع ہوتا ہے اور بہت ہوتا ہے اب یا تو اَنَـا عِـنْـدَ ظَنِّ عَبْدِیْ ''میں اپنے بندہ کے گمان کے نزدیک ہوں جو اس کو میرے ساتھ ہے'' کے طور پر یہ نفع ہوتا ہو (کہ بندہ خدا کے ساتھ جو گمان کرلیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پورا کردیتے ہیں) یا ان لوگوں کو یہ مسئلہ مکشوف(۳) ہوگیا ہے کہ مماثل بھی سالبِ مماثل ہوتا ہے(۴) اور کشف کوئی کمال دینی بھی نہیں ورنہ ظاہر میں تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ لیکن عقلاء کے مان لینے سے اس میں بھی زیادہ بعد نہیں رہا۔

علاج بالضد

مگر حیرت در حیرت یہ ہے کہ احتمال رابع کا وقوع بہت ہی زیادہ ہے اور باوجود اس کے عقلاء میں سے اس کی طرف کسی کی نظر نہیں گئی کہ ضد جس طرح سے سالب ضد ہوتی ہے اسی طرح جالب ضد بھی ہوتی ہے(۵) اس کی طرف شریعت

(۱) سردی کا علاج ٹھنڈی چیزوں سے اور گرمی کا علاج گرم چیزوں سے (۲) گرمی کو گرم دواؤں سے دور کرتے ہیں (۳) کھل گیا ہے (۴) گرم اشیاء کے استعمال سے گرمی دور ہوگی اور سرد اشیا کے استعمال سے سردی دور ہوگی (۵) جیسے ایک شئی ضد اس کو دور کرنے کا سبب ہوتی ہے تو کبھی ضد اس کی ضد کے وجود کے سبب بھی ہوجاتی ہے۔

مقدسہ نے اشارہ کیا ہے جیسا عنقریب بیان ہوتا ہے اس کی ایک نظیر تو میں نے اوپر بتلائی ہے کہ پیاس سیرابی کا سبب ہوتی ہے بھوک سیر شکمی (۱) کا سبب ہوتی ہے کیونکہ بھوک لگنے کے بعد کھانے کی تلاش ہوتی ہے پھر محنت کرکے کھانا حاصل کیا جاتا ہے جس کے کھانے سے سیر شکمی ہوجاتی ہے۔اور لیجئے مصائب سبب ہوجاتے ہیں رفع مصائب (۲) کا یا تو اس طرح کو مصیبت کے بعد حصول راحت کی تدبیریں کی جاتی ہیں یا اس طرح کہ مصیبت پر صبر وتحمل کیا جاتا ہے وَالصَّبْرُ مِفْتَاحُ الْفَرَجِ۔ یعنی صبر کے بعد بہت جلد راحت حاصل ہوتی ہے۔تو مصیبت سے صبر حاصل ہوا اور صبر سے راحت حاصل ہوئی اس طرح مصیبت سبب راحت ہوگئی۔ نیز کبھی جبن (۳) سبب ہوجاتا ہے شجاعت کا۔ کیونکہ بزدل آدمی کو دشمن سے خوف جو زیادہ ہوتا ہے تو وہ مقابلہ کے وقت مدافعت میں اپنی پوری قوت صرف کردیتا ہے اور شجاع بے خطر ہوتا ہے تو وہ اپنے مقابل کو زیادہ وقیع (۴) نہیں سمجھتا اس لئے معمولی طور پر حملہ کرتا ہے جس سے بعض دفعہ کمزور بزدل غلبہ حاصل کرلیتا اور شجاع مغلوب ہوجاتا ہے پھر جب بزدل کو ایک دفعہ کسی بڑے بہادر کے مقابلہ میں کامیابی ہوجاتی ہے تو آئندہ کے لئے اس کا حوصلہ بڑھ جاتا ہے اور وہ جُبن کی بدولت چند روز میں شجاع بن جاتا ہے اسی طرح غنا سبب ہوجاتا ہے افلاس کا۔ کیونکہ غنا سے بے فکری ہوتی ہے اور بے فکری میں فضول خرچی ہوتی ہے جس سے افلاس تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور افلاس کا سببِ غنا ہونا تو کثرت سے مشاہد ہے سو یہ امر عجائب میں سے ہے کہ ضد جالب ضد ہوتی ہے۔

---

(۱) پیٹ بھرنے کا سبب (۲) مصیبت کا آنا مصیبت کے دور کرنے کا سبب بن جاتا ہے (۳) بزدلی (۴) قابل وقعت۔

پستی اختیار کرنا باعث بلندی ہے

اور سنئے حدیث میں آتا ہے: مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ ''جو شخص اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو رفعت عطا کرتے ہیں'' یہاں پستی بلندی کا سبب ہوگئی اور لیجئے معاملات باطن میں کبھی قبض سبب ہوتا ہے بسط کامل کا کیونکہ حالت قبض میں یہ شخص توبہ واستغفار وگریہ وزاری کرتا ہے اور رضاء حق پر راضی رہتا ہے جو صبر کا اعلیٰ درجہ ہے وَالصَّبْرُ مِفْتَاحُ الْفَرَجِ ''صبر کشادگی کی کنجی ہے'' اس لئے قبض کے بعد پہلے سے بھی زیادہ بسط حاصل ہوتا ہے مولانا فرماتے ہیں ؎

چونکہ قبض آید تو دروے بسط بیں   تازہ باش وچیں میفگن برجبیں(۱)

مولانا نے یہاں پر دروے بسط میں فرمایا ہے کہ عین قبض میں تم بسط دیکھو جیسا کہ حق تعالیٰ نے: ﴿اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾ ''یقیناً سختی کے بعد آسانی ہے'' فرمایا ہے اور جس طرح آیت میں مع بمعنی بعد ہے (۲) اسی طرح مولانا کے کلام میں دروے بمعنی بعدوے (۳) ہے جس کو مبالغۃً زیادت تسلی کے لئے دروے سے تعبیر فرمایا۔

حاجی صاحب کی تحقیق

اور ہمارے حضرت حاجی صاحب نے ایک بات ایسی فرمائی تھی جس سے دروے بسط میں اپنے حقیقی معنوں میں بھی صحیح ہوسکتا ہے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب قلب پر وساوس وخطرات کا ہجوم ہو اور کسی طرح بند نہ ہوتے ہوں (اور یہی قبض کی حالت میں پیش آتا ہے) تو تم اس وقت ان خطرات ہی کو

---

(۱) ''اے سالک جب تجھ پر قبض طاری ہو تو اس کے بعد بسط دیکھ خوش وخرم رہو پیشانی پر بل مت ڈال''

(۲) آیت میں ''مع'' ''بعد'' کے معنی میں ہے یعنی تنگی کے بعد فراخی (۳) اسی طرح دروے بھی بعدوے کے معنی میں ہے یعنی اس کے بعد۔

حضورودلجمعی کا اس طرح سبب بناؤ کہ یوں سوچو کہ خدا تعالیٰ کی کیا قدرت ہے کہ میرے دل میں ایک دریا خیالات کا بہادیا جس کے بند کرنے سے بندہ عاجز ہے اس وقت تم ان خطرات ہی کا مراقبہ کرواورانہی سے قدرت حق کا مطالعہ کرو اب یہ خطرات جو اول سبب بُعد تھے سبب قرب بن جائیں گے(۱) اور عین قبض کی حالت میں دروے بسط بین(۲) کا منظر سامنے ہوجائے گا کہ وساوس بھی ہیں جو قبض ہے اور قدرت کا مشاہدہ بھی ہے جو بسط ہے۔ سبحان اللہ یہ ہیں علوم جن کو علوم کہنا چاہیئے۔ پھر قبض کے بعد جو بسط ہوتا ہے(۳) اس وقت جو فرحت سالک کو ہوتی ہے اس کا اندازہ نہیں ہوسکتا۔

کلام عارف شیرازی میں تذکرہ قبض وبسط

عارف شیرازی کے کلام میں بکثرت قبض وبسط کا بیان ہوا ہے ایک مقام پر قبض کے متعلق فرماتے ہیں ؎

باغباں گر پنج روزے صحبت گل بایدش
برجفائے خارہجراں صبر بلبل بایدش
اے دل اندر بند زلفش از پریشانی منال
مرغ زیرک چوں بدام افتد تحمل بایدش (۴)

(۱) یہی وسوسے جوحق سے دوری کا باعث تھے وہ قرب حق کا باعث ہوجائیں گے (۲) حالت قبض میں حالت بسط کا مشاہدہ کرے گا (۳) قبض وبسط دل کی دوکیفیتوں کا نام ہے محبوب (اللہ) کی تجلی جلالی یعنی آثار عظمت واستغناء کے فی الحال وارد ہونے سے قلب کا گرفتہ ہونا قبض کہلاتا ہے اور قبض کے مقابل حالت بسط ہے یعنی آثار لطف وفضل کے ورد سے دل سوزی اور اس کو فرحت ہوتی ہے (۴) ’’یعنی باغبان کو اگر خواہش ہے تو اس کو بلبل کی طرح ہجر کے کانٹوں کی اذیت پر صبر کرنا چاہیے دل محبوب کی زلف کے پھندے میں پھنس کر پریشانی سے گریہ وزاری مت کر سمجھدار پرند جب جال میں پھنس جاتا ہے تو اس کو صبر وتحمل چاہیئے‘‘۔

اور ایک مقام پر بسط کی حالت میں فرماتے ہیں ۔

دوش وقتِ سحر از غصہ نجاتم دادند وندراں ظلمتِ شب آب حیاتم دادند(۱)

اس کلام کے سننے ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ کیسی فرحت خوشی حاصل ہوئی ہے اور چونکہ یہ بسط مرشد کی توجہ سے حاصل ہوا تھا اس لئے آگے فرماتے ہیں:

کیمیائیست عجب بندگی پیر مغاں خاکِ اوگشتم وچندیں ورجاتم دادند(۲)

شیخ کی توجہ

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ توجہ مرشد کب نافع ہوتی ہے جبکہ اس کی اطاعت کی جائے اور اس کے بعد بتلانے کے موافق عمل کیا جائے اور اپنے کو اس کے ہاتھ میں مثل مردہ بدست(۳) زندہ کردیا جائے کہ وہ جس طرح تم میں چاہے تصرف کرے اس کے بعد جو مرشد کی توجہ ہوتی ہے وہ واقعی کیمیا ہوتی ہے اس سے میں ان لوگوں کے کان کھولنا چاہتا ہوں جو ہوسناک ہیں جو ایک توجہ سے کامل ہونا چاہتے ہیں تو وہ سمجھ لیں کہ توجہ کی دو قسمیں ہیں ایک توجہ بلا عمل یہ عادۃً بے اثر ہے ایک توجہ مع العمل یہ موثر ہے سو یاد رکھو کہ توجہ بلا عمل کا اثر یہ محض موجود ذہنی ہے اس کا خارج میں وقوع نہیں(۴) اور جہاں تم اس کا وقوع سمجھتے ہو وہاں بھی عمل ضرور موجود ہے گو تم کو اس کی خبر نہ ہو کیونکہ اعمال کی دو قسمیں ہیں اعمال جوارح(۵) واعمال قلبیہ(۶) اعمال جوارح کی اطلاع تو دوسروں کو ہوسکتی ہے مگر اعمالِ قلب کی اطلاع خدا کے سوا یا خاصان خدا کے سوا دوسروں کو نہیں ہوتی تو بعض طالب

(۱) ''کل صبح کے وقت مجھ کو غصہ سے نجات دی گویا اندھیری میں مجھ کو آب حیات بخشی'' (۲) ''شیخ کی پوری تابعداری عجیب کیمیا ہے کہ مجھ کو اس کے پیروں کی خاک بننے سے بڑے درجات ملے'' (۳) جیسے غسل میت کے وقت مردہ زندہ کے ہاتھوں میں ہوتا کہ وہ اس کو جدھر چاہے کروٹ دے (۴) اسکا ظاہری وجود نہیں ہے (۵) عمل اعضاء (۶) دل کا عمل۔

ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے ظاہری اعمال کچھ زیادہ نہیں ہوتے نہ وہ کچھ زیادہ مجاہدے کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں مگر اعمال قلبیہ ان کے زیادہ ہوتے ہیں وہ ہر وقت قلب کی نگہداشت میں مشغول ہوتے ہیں اور یہ ظاہری مجاہدہ سے بھی اشد ہے تو جن کو تم بلا عمل کے توجہ سے کامیاب ہوتا دیکھتے ہو وہ اس عمل شدید کے عامل ہیں حقیقت میں وہ بلا عمل کے توجہ محض سے کامیاب نہیں ہوئے بلکہ توجہ مع العمل ہی سے کامیاب ہوئے ہیں بس اس توجہ کے نفع کا طریق یہ ہے کہ شیخ نے ایک کام بتلایا اور طالب نے اس کے موافق عمل کیا شیخ کو اس کی اطلاع ہوئی وہ جوش میں آ کر اس کے لئے دعا کرتا اور اس کی طرف توجہ پہلے سے زیادہ کرتا ہے اس سے بیشک نفع ہوتا ہے کیونکہ

تو چنیں خواہی خواہد چنیں　　　می دہد یزداں مراد متقیں (۱)

اللہ تعالیٰ مقبولین کی مراد کو پورا کرتے ہیں جب وہ کسی شخص کی کامیابی چاہتے ہیں تو حق تعالیٰ بھی اس کو کامیاب ہی کر دیتے ہیں۔

توجہ اور عمل دونوں ضروری

اس پر شاید کوئی یہ کہے کہ جب عمل کی ہر حالت میں ضرورت ہے اور توجہ بھی عمل ہی سے نافع ہوتی ہے تو پھر توجہ کی کیا ضرورت ہے تو بات یہ ہے کام دونوں ہی کے مجموعہ سے چلتا ہے عمل اور توجہ شیخ دونوں کی ضرورت ہے۔ دیکھو جو طالب علم استاد کے کلام کو شوق سے سنتا ہے استاد کو اس پر توجہ زیادہ ہوتی ہے پھر اس کی توجہ سے اس کو دوسروں سے زیادہ علم حاصل ہوتا ہے کتابیں تو سب ہی ختم کر لیتے ہیں مگر جس کا نام علم ہے یعنی فہم سلیم اور فقہ فی الدین (۲) وہ اسی کو حاصل ہوتا ہے جس نے توجہ سے پڑھا ہو اور اساتذہ کو راضی رکھا ہو اور جس طالب علم نے محض محنت ہی محنت کی ہو مگر اساتذہ کو راضی نہ رکھا ہو تجربہ کر لیا جائے کہ اس کو حقیقی علم حاصل نہ ہوگا۔ گو الفاظ یاد ہو جائیں

(۱) ''تو جو چاہتا ہے وہی خدا تعالیٰ بھی چاہتا ہے، حق تعالیٰ متقیوں کی مراد پوری فرماتے ہیں'' (۲) دین کی سمجھ۔

بہرحال توجہ شیخ کی نہایت ضرورت ہے مگر وہ بعد العمل ہی مفید ہے قبل از عمل مفید نہیں الانا دراً وھو کالمعدوم (۱) اور بلا عمل بزرگوں کی توجہ سے تو کیا توقع رکھی جاوے خود خدا تعالیٰ کی بھی عادت یہی ہے کہ ان کو بھی توجہ بعد العمل ہی ہوتی ہے۔

حدیث کا مطلب

اور اگر کسی کو عمل کے غیر ضروری ہونے کا اس حدیث سے شبہ ہو کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ اَحَدٌ بِعَمَلِهٖ کہ جنت میں کوئی اپنے عمل سے نہ جائے گا اس پر صحابہ نے عرض کیا ولا اَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔ یارسول اللہ ﷺ کیا آپ بھی اپنے عمل سے نہ جائیں گے حضور ﷺ نے فرمایا: وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ یَّتَغَمَّدَنِیَ اللّٰہُ بِرَحْمَتِهٖ کہ ہاں میں بھی عمل سے نہ جاؤں گا مگر یہ کہ حق تعالیٰ اپنی رحمت میں مجھے ڈھانپ لیں۔ چنانچہ اس حدیث کو بعضے لوگ عدم ضرورت کی تائید میں بیان کیا کرتے ہیں مگر یہ ان کی غلطی ہے یہ حدیث تو ضرورت عمل کو بتلا رہی ہے کیونکہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جنت میں جو کوئی جائے گا خدا تعالیٰ کی رحمت سے جائے گا اب نصوص سے معلوم کرو کہ مورد رحمت کون لوگ ہیں سنئے حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ رحمت حق نیکوکاروں کے قریب ہے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ بھی عمل ہی کے بعد توجہ فرماتے ہیں بدون عمل کے وہ بھی توجہ نہیں فرماتے ایک جواب تو یہ ہے۔

عمل کی اہمیت وضرورت

دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث کے یہ معنی نہیں کہ عمل کو دخل ہی نہیں یہ تو

(۱) کام عمل کے ساتھ شیخ کی توجہ کے ملنے سے ہوتا مگر کبھی کبھی اس کے بغیر بھی ہوسکتا ہے لیکن ایسا ہونا نہ ہونے کی طرح ہے۔

نصوص قطعیہ کے خلاف ہے بلکہ معنی یہ ہیں کہ وہ تامہ کا جز واخیر نہیں ہے (۱) وہ جز واخیر رحمت ہی ہے گو عمل بھی علت تامہ کے اجزاء میں سے ہو بہر حال عمل کی ضرورت دلائل قطعیہ سے ثابت ہے۔ بس اب جو لوگ محض توجہ سے ہونا چاہتے ہیں اور عمل نہیں کرتے وہ بندہ نفس ہیں آرام طلب ہیں ان میں عشق وطلب نہیں ہے بھلا عشق اور چین؟ دعویٰ محبت اور آرام طلبی؟ ایں خیالست ومحال ست وجنوں (یہ خیال محال اور جنون پن ہے) اور میں کہتا ہوں کہ اگر توجہ بلا عمل مفید بھی ہوتی تب بھی عاشق کو بدون عمل کے چین کیوں کر آسکتا ہے عاشق سے کبھی نہیں ہوسکتا کہ محض دعویٰ عشق پر اکتفا کرے اور عمل سے اس کا ثبوت نہ دے ایسے عشق کو تو ہم اور آپ بھی قابل اعتبار نہیں سمجھتے۔

عشق کا امتحان

ایک رئیس خان صاحب فرماتے تھے کہ بچپن میں ایک طالب علم مجھ پر عاشق ہوا میں نے کہا اگر تم میرے عاشق ہو تو سیر بھر چونہ بے بجھا کھالو۔ بس یہ سن کر خاموش رہ گئے میں نے ایک جوتہ نکال کر مارا کہ اب سے عشق کا نام نہ لینا۔ ارے جب مخلوق دعویٰ عشق بلا عمل پر راضی نہیں تو خدا تعالیٰ اس عشق کو کیسے قبول فرمالیں گے بس یہ لوگ ایسے عاشق ہیں کہ لینے دینے کے منہ میں خاک محبت رکھیں۔ پاک طالب کی تو شان یہ ہوتی ہے کہ عمل اور مجاہدہ کے بعد اگر ناکامی بھی ہو تب بھی عمل سے دلگیر نہیں ہوتا اور برابر کام میں لگا رہتا ہے ایک عارف فرماتے ہیں ؎

یابم اورا یا نہ یابم جستجوئے می کنم　　حاصل آید یا نیاید آرزوے می کنم (۱)

گر مرادت را مذاق شکر ست　　بے مرادی نے مراد دلبر ست (۲)

(۱) جنت میں داخلہ کا جز واخیر نہیں ہے گو جزو ہے لیکن جزاخیر رحمت الٰہی ہے۔ (۱) ''اس کو پاؤں یا نہ پاؤں اس کی جستجو کرتا ہوں ملے یا نہ ملے آرزو کرتا ہوں'' (۲) ''اگر تمہاری مراد کا مزہ شریں ہے تو کیا بے مرادی دلبر کی مراد نہیں ہے''۔

عاشق کو اس سے بحث نہیں ہوتی کہ میرے عمل پر کچھ ثمرہ مرتب ہوا یا نہیں اور عمل سے فائدہ ہوتا ہے یا نہیں وہ تو محض محبت کی وجہ سے محبوب کی خدمت میں لگا رہتا ہے چاہے کامیابی ہو یا ناکامی اور یوں کہتا ہے ؎

أُرِیدُ وِصَالَهٗ وَیُرِیدُ هِجرِیْ　　　فَاَتْرُكُ مَا اُرِیدُ لِمَا یُرِیدُ (۳)

فناء ذریعہ بقاء

مضمون طویل ہوگیا یہ بات اس پر چلی تھی کہ قبض سبب بسط ہوجاتا ہے حالانکہ دونوں باہم ضدین (۴) ہیں لیکن کبھی ضد جالب ضد ہوجاتی ہے(۵) اسی طرح فناء سبب بقاء(۶) ہوجاتا ہے اہل اللہ اسی واسطے اپنے کو مٹاتے ہیں تاکہ بقاء حاصل ہو۔ اور مجاہدہ کے بعد مشاہدہ حاصل ہو بلکہ وہ فنا ہی بقاء ہوجاتا ہے اور مجاہدہ ہی مشاہدہ ہوجاتا ہے اور ذلت ہی عزت ہوجاتی ہے کیونکہ بعض عزت بصورت ذلت ہوتی ہے اور بعض قرب بصورت بُعد ہوتا ہے اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

گفت پیغمبر کہ معراج مرا　　　نیست برمعراجِ یونس اجتبا (۷)

یہ روایت بالمعنی ہے مولانا اس مقام پر حدیث لَا تُفَضِّلُوْنِیْ عَلٰی یُوْنُسَ بنِ مَتّٰی ''مجھ کو یونس بن متی پر ترجیح مت دو'' کی تفسیر کررہے ہیں اور یہی حدیث سرخی میں بھی لکھی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میری معراج کو یونس علیہ السلام کی معراج پر ترجیح نہ دو۔

معراج یونس علیہ السلام

یونس علیہ السلام کی معراج کا قصہ یہ ہے کہ آپ نے ایک دفعہ اپنی قوم کو

(۳) میں محبوب کے وصال کا خواہاں ہوں وہ ہجر کے خواہاں سو میں نے اپنی خواہش کو ان کی خواہش کی وجہ سے ترک کردیا'' (۴) ایک دوسرے کی ضد ہیں (۵) کبھی ایک کام اپنی ضد کے وجود کا سبب بن جاتا ہے (۶) اپنے کو مٹانا اپنی بقاء کا سبب بن جاتا ہے (۷) ''پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری معراج کو یونس''۔

عذاب سے ڈرایا کہ اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر عذاب نازل ہوگا انہوں نے مدت پوچھی آپ نے معیاد بتلادی اس تاریخ کے قریب کہیں دوسری جگہ چلے گئے پیچھے قوم پر عذاب آیا آثار عذاب دیکھ کر لوگ ان کی تلاش میں نکلے کہ یونس علیہ السلام مل جائیں تو ان پر ایمان لے آویں مگر یونس علیہ السلام نہ ملے تو عقلاء نے کہا اگر یونس نہیں ہیں تو رب یونس تو ہیں تم ان سے رجوع کرو اور یونس علیہ السلام پر غائبانہ ایمان لے آؤ اللہ تعالیٰ کو تمہارے ایمان کا علم ہوجانا کافی ہے۔ واقعی یہ لوگ عاقل تھے افسوس آج کل صدیوں کے مسلمانوں کو بھی ان نومسلموں کے برابر عقل نہیں کہ بیعت کے لئے ہاتھ میں ہاتھ دینے کو ضروری سمجھتے ہیں مگر ان نومسلموں کی عقل برآفریں ہے(۱) کہ حقیقت کو بہت جلدی سمجھ گئے کہ بیعت حقیقی اتباع ہے ہاتھ میں ہاتھ دینا ضروری نہیں بلکہ پیر کا سامنے ہونا بلکہ اس کا جاننا بھی ضروری نہیں چنانچہ وہاں پیر غائب تھے اور ان لوگوں نے غائبانہ بیعت کرلی جس کی پیر کو بھی خبر نہ تھی مگر وہ ایسی سچی بیعت تھی کہ خدا تعالیٰ کے ہاں قبول ہوئی اور عذاب ٹل گیا۔ جب عذاب کی معیاد گذر گئی تو یونس علیہ السلام نے آنے جانے والوں سے قوم کا حال پوچھا معلوم ہوا کہ وہ تو عذاب سے بچ گئے اب ان کو وہاں جاتے ہوئے شرم آئی کہ مجھے جھٹلاویں گے کہ تم تو فلاں تاریخ تک عذاب آنے کو کہتے تھے ہم تو عذاب سے ہلاک نہ ہوئے اس شرم کی وجہ سے قوم کی طرف نہ گئے بلکہ وہاں سے بہت دور چلے گئے اور وحی کا انتظار نہ کیا اور آپ کو یہ خبر نہ تھی کہ قوم عذاب سے میری تصدیق ہی کی بدولت بچی ہے اور اگر میں واپس جاؤں گا تو پہلے سے زیادہ تصدیق کریں گے بہرحال آگے بڑھتے چلے گئے راستہ میں ایک دریا پڑا اس سے پار ہونے کو کشتی میں سوار ہوئے کچھ دور چل کر کشتی بھنور میں آگئی ناخدا نے کہا(۲)

(۱) عقل قابل ستائش ہے (۲) کشتی چلانے والے ملاّح نے کہا۔

معلوم ہوتا ہے اس کشتی میں کوئی ایسا غلام ہے جو اپنے آقا سے بھاگ کر آیا ہے وہ کشتی سے نکل جائے ورنہ سب غرق ہوجاویں گے اس زمانہ کے کافر بھی مصائب کا سبب معاصی کو سمجھتے تھے افسوس آجکل مسلمان بھی ایسا نہیں سمجھتے اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ یہ سن کر یونس علیہ السلام کو تنبہ ہوا کہ میرا بدون اذن الٰہی(۱) قوم کے بلاد(۲) سے چلا آنا اچھا نہ ہوا۔ مجھے اللہ تعالیٰ سے اذن لینا چاہیے تھا اس تنبہ کے بعد آپ سے نہ رہا گیا اور لوگوں سے کہا بھائی وہ غلام میں ہوں جو اپنے آقا سے بھاگ کر آیا ہوں لوگوں کو آپ کی بات کا یقین نہ آیا اور کہا آپ کی صورت تو غلاموں کی سی نہیں بلکہ سرداروں جیسی ہے بھلا آپ غلام کدھر سے ہوئے سچ ہے ؎

نور حق ظاہر بود اندر ولی　　نیک بیں باشی اگر اہل دلی (۳)

خصوصاً انبیاء علیہم السلام کو تو حق تعالیٰ حسن صورت حسن سیرت، سب کچھ اتنا عطا فرماتے ہیں کہ ان کے زمانہ میں کسی کو بھی حاصل نہ ہو پھر ان کمالات ظاہرہ وباطنہ کے ہوتے ہوئے ان پر غلامی کا کسی کو شبہ ہوسکتا تھا۔ غرض آپ اصرار کررہے تھے کہ بھاگا ہوا غلام میں ہی ہوں تم مجھے دریا میں ڈالدو۔ اور لوگ انکار کررہے تھے آخر کار قرعہ اندازی پر فیصلہ ہوا کہ جس کے نام کا قرعہ نکل آوے اسی کو ڈال دیا جائیگا قرعہ میں بھی یونس علیہ السلام ہی کا نام نکلا لوگوں نے کہا یہ تو اتفاقی بات ہے پھر قرعہ ڈالو تین دفعہ قرعہ ڈالا گیا اور ہر دفعہ یونس علیہ السلام ہی کا نام نکلا اب تو لوگوں نے مجبور ہوکر آپ کو دریا میں ڈالدیا اسی کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں: (فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْن) ''سو یونس بھی شریک قرعہ ہوئے تو یہی ملزم ٹھیرے'' وہاں باذن حق ایک مچھلی منہ کھولے ہوئے تیار بیٹھی تھی جس نے فوراً آپ کو نگل لیا سمندر میں بعضی مچھلیاں بہت ہی بڑی ہوتی ہیں نگلنے کو تو مچھلی نے نگل

(۱) بغیر اللہ کی اجازت کے (۲) قوم کے شہروں سے (۳) ''ولی میں انوار الٰہی نمایاں ہوتے ہیں اگر تو اہل دل ہے تو اچھی طرح دیکھ لے''۔

لیا مگر وہاں معدہ کو حکم ہوگیا کہ خبر دار یونس علیہ السلام کو ہضم نہ کرنا اب وہ پیٹ میں صحیح سالم زندہ رہے چالیس دن کے بعد مچھلی نے کنارہ پر آپ کو اگل دیا جس کا قصہ سیر میں مفصل موجود ہے۔ اس قصہ سے کسی ناواقف کو شبہ ہوسکتا تھا کہ شاید یونس علیہ السلام کی یہ حالت کامل نہ تھی خصوصاً جب کہ وہ قرآن کے بعض عنوانات پر بھی نظر کرے جیسے: ﴿ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۘ اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ؕ لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ﴾ (۱)

اور ایک مقام پر ارشاد ہے ﴿وَذَاالنُّوْنِ اِذْذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ (۲)

محبوبانہ عتاب

''مُغَاضِبًا'' کی تفسیر بعض نے تو کچھ اور ہی کی ہے کہ اللہ میاں سے روٹھ کر چلے گئے تھے ہماری تو یہ ہمت نہیں مگر اشکال اس پر بھی نہیں کیونکہ ادلال انبیاء علیہم السلام سے ثابت ہے چنانچہ بدر میں حضور ﷺ نے فرمایا تھا: اَللّٰهُمَّ اِنْ تُهْلِكَ هٰذِهِ الْعِصَابَةُ لَنْ تَعْبُدَ بَعْدَ الْيَوْمِ۔ ''اے اللہ اگر یہ مختصر جماعت مسلمانوں کی ہلاک ہوگئی تو آج کے بعد زمین میں کوئی آپ کی عبادت نہ کرے گا''۔

اس میں بجز ادلال کے اور کیا تاویل ہوسکتی ہے ایسے ہی یونس علیہ السلام کا بدون اذن کے چلا آنا بطور ادلال (ناز) کے تھا کہ عذاب کیوں نہیں نازل فرمایا اسی کو حق تعالیٰ نے مُغاضبت (روٹھنا) سے تعبیر فرمایا، رہا یہ کہ

(۱)''اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو جایئے جب کہ یونسؑ نے دعا کی اور وہ غم سے گھٹ رہے تھے اگر خداوندی احسان ان کی دستگیری نہ کرتا تو وہ میدان میں بدحالی کے ساتھ ڈالے جاتے'' القلم:۴۹ (۲)''اور مچھلی والے کا تذکرہ کیجئے جب وہ خفا ہوکر چلدیئے اور انہوں نے یہ سمجھا کہ ہم ان پر کوئی داروگیر نہ کریں گے پس انہوں نے اندھیروں میں پکار کر آپ کے سوا کوئی موجود نہیں ہے اور میں قصوروار ہوں'' الانبیاء: ۸۷۔

پھرادلال پر مواخذہ کیوں ہوا تو بات یہ ہے کہ جس طرح انبیاء علیہم السلام حق تعالیٰ پر ناز کرتے ہیں ایسے ہی کبھی وہ بھی ادلال فرماتے ہیں اور ان کو اس کا زیادہ حق ہے کیونکہ محبوب ہیں تو یہ مواخذہ بھی بطور ادلال کے تھا جس کو دوسری عبارت میں عتاب محبوبانہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بہر حال اس قصہ سے کسی کو یونس علیہ السلام کے کمال پر شبہ ہوسکتا تھا رسول اللہ ﷺ نے حدیث لا تُفَضِّلُونِی عَلٰی یونس بن متی ''یونس بن متی پر مجھ کو فضیلت مت دو'' میں اس شبہ کو رفع فرمایا ہے کہ اس قصہ کی وجہ سے یونس علیہ السلام کے کمال پر شبہ نہ کرنا اور مجھے ان پر فضیلت نہ دینا کیونکہ ان کی یہ حالت کمال کے منافی نہ تھی یہاں سے لوگ یہ مسئلہ بھی سمجھ لیں کہ انبیاء علیہم السلام میں باہم ایسا موازنہ نہ کرنا چاہیئے جس سے کسی کی تنقیص لازم آئے اور حدیث لَا تُفَضِّلُونِی ''مجھ پر فضیلت مت دو'' میں اسی تفضیل کی ممانعت ہے اور یہ صورت اکثر تفصیلی تفضیل میں پیش آتی ہے باقی اجمالی تفضیل کا مضائقہ نہیں جو نصوص میں وارد ہے۔

انبیاء میں تفضّل

مولانا اس حدیث کی تفسیر دوسری طرح کرتے ہیں اور غالبًا اس کا منشا عموم کے تحت میں خصوص کو داخل کرنا ہے تفصیل اس کی یہ ہے، حدیث میں تفضیل جزئی کی ممانعت ہے اور مطلب یہ ہے کہ میری کسی خاص حالت کو یونس علیہ السلام کی کسی خاص حالت فضیلت نہ دو مولانا اس عموم میں معراج کو بھی داخل کرتے ہیں کہ میری معراج کو بھی یونس علیہ السلام کی معراج پر فضیلت نہ دو اس کے بعد عجیب بات بیان فرمائی ہے کہ جس قصہ کو تم یونس علیہ السلام کے لئے منافی کمال سمجھتے ہو درحقیقت وہ ان کی معراج تھی پس مولانا فرماتے ہیں کہ یونس علیہ السلام کو اس واقعہ میں معراج حاصل ہوئی تھی۔

حقیقت معراج

اور یہ جو مشہور ہے کہ حضور ﷺ کے سوا کسی نبی کو معراج نہیں ہوئی اس کا مطلب یہ ہے کہ جس صورت سے آپ کو معراج ہوئی اس صورت سے کسی کو نہیں ہوئی ورنہ حقیقت معراج جملہ انبیاء میں مشترک ہے اور حقیقت کے اعتبار سے ہر پیغمبر کو معراج ہوئی ہے کیونکہ معراج کی حقیقت ہے قرب حق اور ظاہر ہے کہ قرب حق جملہ انبیاء کو حاصل تھا۔ اس کے بعد مولانا فرماتے ہیں کہ قرب حق کسی خاص صورت کے ساتھ مقید نہیں بلکہ کبھی بصورت عروج ہوتا ہے اور کبھی بصورت نزول ہوتا ہے اسی کو فرماتے ہیں ؎

قرب نیز پستی ببالا رفتن است   قرب حق از قید ہستی رستن ست (۱)

اور قرب بصورتِ نزول کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے حدیث میں آتا ہے: اَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَّبِّهٖ وَهُوَ سَاجِدٌ ''وہ چیز کہ ہوتا ہے بندہ اپنے رب سے قریب تر اس حال میں کہ وہ سجدہ کرنے والا ہو''

نیز قرآن میں آتا ہے وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ یعنی سجدہ کرو اور مقرب بن جاؤ جس سے سجدہ کا محل قرب ہونا معلوم ہوا حالانکہ ظاہر میں وہ پستی اور ذلت ونزول کی حالت ہے اس کے بعد مولانا فرماتے ہیں کہ یونس علیہ السلام کو اس واقعہ میں معراج بصورت نزول ہوئی تھی تو یہ واقعہ منافی کمال نہ تھا بلکہ عین کمال تھا کیونکہ معراج کا کمالات سے ہونا مسلم ہے۔

حضور ﷺ کی معراج کی حقیقت

باقی ہمارے حضور ﷺ چونکہ صورت وحقیقت کے جامع ہیں اس لئے آپ کو معراج بصورت عروج ہوئی جس میں حقیقت اور صورت دونوں کو جمع کرلیا

(۱) ''قرب عموماً پستی سے اوپر نیچے پہنچنے کا نام ہے لیکن قرب حق مرضیات الٰہی میں فنا ہونا ہے''

گیا پھر آپ کی معراج میں جس طرح عروج تھا نزول بھی تھا اور نزول میں بھی صورت و معنی دونوں مجتمع تھے صورت تو یہ کہ آپ بلندی سے زمین کی طرف تشریف لائے اور حقیقت یہ کہ فناء کے بعد بقاء حاصل ہوا اور یہ نزول ہے جس کو اہلِ سلوک جانتے ہیں اس جامعیت کے متعلق ہمارے حاجی صاحب نے بڑے مزہ کی بات فرمائی ایک دفعہ شریف مکہ کچھ حضرات سے بدظن ہوگیا تھا کسی نے کچھ شکایت پہنچادی تھی اسی اثناء میں ایک دن حضرت کی مجلس میں شریف صاحب کے ایک درباری حاضر ہوئے۔ باتوں باتوں میں کچھ اس کا تذکرہ ہوا حضرت نے ان شکایات کا بے اصل ہونا ظاہر فرمایا پھر حضرت کو جوش آ گیا اور فرمایا کہ اگر شریف صاحب کو ان شکایات کا یقین آ گیا ہے تو مجھے اس کی بھی پروا نہیں وہ میرا کیا کرسکتے ہیں بس یہی نا کہ مکہ سے نکالدیں گے تو میرا اس میں کوئی ضرر نہیں میں جہاں بیٹھوں گا وہاں ہی مکہ ہوگا۔ اور وہاں ہی ہوگا مدینہ۔

حقیقتِ مکہ و مدینہ

کیونکہ مکہ کی حقیقت ہے تجلی الوہیت اور مدینہ کی حقیقت ہے تجلی عبدیت اور یہ عارف کے ساتھ ساتھ ہوتی ہے تو پھر شریف صاحب میرا کیا بگاڑ لیں گے۔ اگر کوئی سڑ بھنگ ہوتا تو بس اتنے کلام پر اکتفا کرتا مگر قربان جایئے حاجی صاحب کے کہ وہ واقعی محقق تھے اتنی بات پر کلام کو ختم نہیں کیا بلکہ اس کے بعد یہ بھی فرمایا مگر جو محقق عارف ہیں وہ صورت و معنی دونوں کے جامع ہوتے ہیں وہ معنی کے ساتھ صورت کی بھی قدر کرتے ہیں اور جب تک ان سے ہوسکتا ہے مکہ مدینہ کی صورت کو بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے ہاں کوئی مجبوی ہی آ پڑے تو خیر۔ سبحان اللہ جوش کی حالت میں بھی فن پر پوری نظر رہی اور سنبھل کر مسئلہ کو پورا فرمادیا جس پر اب کوئی

اشکال نہیں ہوسکتا۔ ورنہ سب سے پہلے حضرت ہی پر اشکال وارد ہوتا (۱) کہ جب حقیقت مکہ مدینہ کی آپ کے ساتھ ہے تو پھر صورت مکہ میں آپ نے قیام کیوں اختیار کیا۔ تو اس جامعیت کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو معراج بصورت عروج ہوئی۔ افسوس آجکل بعض لوگ حضور ﷺ کے لئے معراج جسمانی کے منکر ہیں گویا وہ کمالِ صورت کے منکر ہیں ان لوگوں نے بڑا ظلم کیا ہے اوران کے پاس اس انکار کی کوئی بھی دلیل نہیں غرض یونس علیہ السلام کی وہ پستی اور نزول عین ترقی تھی تو ضد کے جالب ضد ہونے پر کیا شبہ کیا جائے (۲) بلکہ معاملات باطن میں تو ضد عین ضد بھی ہوجاتی ہے مگر باعتبارات مختلفہ۔ اعتبارات کا ملانا تو ضروری ہے: وَلَوْلَا الْاِعْتِبَارَاتِ لَبَطَلَتِ الْحِكْمَةُ ''اگر اعتبارات نہ ہوتے تو حکمت بیکار ہوجاتی''۔

عُسر باعث یُسر

یہی وہ مضمون ہے جس کی طرف آیت اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ''ہر سختی کے ساتھ آسانی ہے'' میں میرا ذہن منتقل ہوا کہ کبھی ضد بھی جالب ضد ہوجاتی ہے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سختی ودشواری کے ساتھ آسانی ہے تو اس میں لفظ مع گو سببیت پر دلالت نہیں کرتا محض اقتران (۱) پر دال ہے لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اقتران محض اتفاقی نہیں بلکہ عسر (یعنی سختی) کو یُسر (آسانی) میں دخل ہے کیونکہ عسر سے نفس پامال ہوتا ہے اور عارف کو اس وقت اپنا عجز وفنا مشاہد ہوتا ہے (۲) نیز صبر جمیل ورضا بالقضا حاصل ہوتا ہے یہ سب یسر وفرج (۳) کا سبب بن جاتے ہیں اس کے ساتھ جب وہ حدیث ملالی جائے کہ انبیاء پر تکالیف وشدائد اس

(۱) اشکال ہوتا (۲) اس بات پر شبہ نہ کیا جائے کبھی ضد اپنی ضد کے وجود کا سبب بن جاتی ہے (۱) ملے ہوئے ہونے پر دلالت کرتا ہے (۲) اپنی عاجزی اور فنائیت کا مشاہدہ ہوتا ہے (۳) آسانی اور کشادگی کا سبب ہوجاتے ہیں۔

لئے زیادہ آتے ہیں تا کہ ان کے درجات بلند ہوں پھر تو عسر کے سبب یسر ہونے میں کوئی بھی اشکال نہ رہے گا اس کے ساتھ اتنا اور سمجھ لیجئے کہ عسر یسر باطنی کا سبب تو ہوتا ہی ہے کیونکہ درجات بڑھتے ہیں مگر اکثر یسر ظاہری کا بھی سبب ہوجاتا ہے چنانچہ ارشاد ہے: وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (۴) ''بھلائی آخرت کی متقیوں ہی کے لئے ہے'' وَاِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا (۵) ''اور ہم اپنے رسولوں اور مسلمانوں کی ضرور مدد کریں گے'' وَعَدَاللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ۔(۱) اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ۔(۲) وَغَيْرُ ذٰلِكَ مِنَ الْاٰيَاتِ ''اور ان کے سوا اور بھی بہت سی آیات ہیں'' اور عموماً انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کے ساتھ بھی معاملہ ہوا ہے کہ اول ان پر عسر ہوا پھر انجام کار ہر طرح یسر حاصل ہوا کہ ظاہر میں بھی وہ اپنے اعداء پر غالب ہوئے پس یسر باطنی کے اعتبار سے تو مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ''سختی کے ساتھ آسانی ہے'' میں مع اپنے حقیقی معنوں میں ہے کہ عسر کے ساتھ ساتھ یسر ہے کیونکہ انبیاء کی ترقی درجات عین یسر کی حالت میں ہوتی رہتی ہے اور یسر ظاہری کے اعتبار سے بمعنی بعد (دوری) سے تعبیر فرمایا جو تفسیر لیجئے گا ویسے ہی مع کے معنی لے لیجئے گا بہر حال اولاً یہ مسئلہ خود بخود میرے دل میں آیا تھا کہ ضد سبب ضد بھی ہوجاتی ہے پھر اس آیت میں بھی اس کی طرف ذہن چلا گیا جس کی تقریر ابھی کر چکا ہوں۔ الحمدللہ مضمون کلی بھی بیان ہوگیا اور آیت سے اس کا تعلق بھی بیان ہوگیا۔

شعبان میں ممانعت روزہ کی وجہ

اب اس حدیث کی تفریع اس مضمون پر باقی رہی سو عرض کرتا ہوں کہ اُسی

(۱) ''اور اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے اس بات کا کہ ضرور ضرور خلیفہ بنادیگا ان کو زمین میں'' سورۃ النور:۴ (۲) ''اور یقیناً زمین کے مالک میرے نیک بندے ہی ہوتے ہیں'' سورۃ الانبیاء:۱۰۵۔

مضمون کی ایک فرع یہ حدیث ہے: اذَا انْتَصَفَ شَعْبَانُ فَلاَ صَوْمَ اِلَّا عَنْ رَمَضَانَ کہ رمضان سے پہلے نصف شعبان کے بعد روزہ نہ رکھو۔ یہ تو ترجمہ ہوا۔تفریع کی تقریر آگے آتی ہے اس سے پہلے اس حکم کی حکمت بیان کرتا ہوں کہ اس سے تفریع سمجھنے میں سہولت ہوگی کہ اس حکم کی حکمت کے متعلق علماء کے مختلف اقوال ہیں گو حکمت کا معلوم کرنا ضروری نہیں اور نہ مسلمان کو عمل کے لئے اس کا انتظار ہونا چاہیئے کہ حکمت کیا ہے لیکن اگر حکمت معلوم ہوجائے تو یہ حق تعالیٰ کی ایک نعمت ہے کیونکہ یہ بھی ایک علم عظیم ہے جس سے احکام کی عظمت کا انکشاف ہوتا ہے چنانچہ اس میں ایک حکمت تو یہ ہے کہ ان دنوں میں خوب گھی دودھ کھا کر رمضان میں قوت ونشاط کے ساتھ روزہ رکھے گا دوسرے یہ کہ رمضان سے پہلے روزہ رکھنے میں رمضان کا اشتیاق کم ہوجانے کا اندیشہ ہے اس لئے حضور ﷺ نے بقاء اشتیاق (۱) کے لئے نصف شعبان کے بعد روزہ کو منع کردیا کیونکہ انتظار واشتیاق کے بعد جو شے حاصل ہوتی ہے اس میں نشاط زیادہ ہوتا ہے بلکہ ایک شاعر تو یوں کہتا ہے ؎

جو مزہ انتظار میں دیکھا پھر نہ وہ وصل یار میں دیکھا

مگر یہ مذاق نقص (۲) کا پتہ دے رہا ہے یا عاشق میں یا محبوب میں کہ وصل کے بعد مزہ جاتا رہا یا کم ہوگیا معلوم ہوا کہ یا تو اس شخص کا عشق ہی برائے نام تھا جو کہ جوش کم ہونے سے نیست و نابود ہوگیا یا محبوب ناقص ہے جس سے وصال کر کے حقیقت معلوم ہوگئی کہ بس آپ کا یہ حسن ہے اور یہ کمال ہے ورنہ اگر دونوں کامل ہوں تو پھر انتظار کا مزہ وصال کے مزہ کے سامنے کچھ بھی نہیں اس وقت محبّ کا تو یہ حال ہوتا ہے ؎

(۱) شوق کو باقی رکھنے کے لئے (۲) معلوم ہوتا ہے ذوق صحیح نہیں ہے

کنار وبوس سے دونا ہوا عشق　　مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

اورمحبوب کے حسن کی یہ کیفیت ہوتی ہے ۔

یَــزِیـــدُكَ وَجُھُـــهٗ حُسْـنًــا　　اِذَا مَـــا زِدْتَّـــهٗ نَـظَــراً (۳)

باقی اس میں شک نہیں کہ جوشئی انتظار کے بعد ملتی ہے اس میں بہ نسبت اس کے جو بلاانتظار کے مل جائے زیادہ نشاط وحظ (۴) ہوتا ہے اس لئے حضور ﷺ نے انتظار کو باقی رکھنے کے لئے رمضان سے کچھ پہلے روزہ کو منع فرمادیا۔ ان ہی حکمتوں سے میرا ذہن اسی قاعدہ کلیہ کی طرف منتقل ہوا جس کی تقریر اوپر کر چکا ہوں یعنی میرے قلب میں یہ بات آئی کہ یہاں حضور ﷺ نے ایک ضد کو دوسری ضد کے لئے معین بنایا ہے جو کہ ایک قسم کا سبب ہوتا ہے کیونکہ وجود معین کے بعد اکثر مقصود کا ترتب ہوجاتا ہے (۱) اور یہی سببیت ہے پس یہ ترک صوم ،صوم رمضان کے لئے سبب ہوگیا کیونکہ رمضان سے پہلے ترک صوم سے صوم رمضان پر قوت زیادہ ہوگی اور انتظار کی شان پیدا ہوکر رمضان کے روزوں میں نشاط زیادہ ہوگا۔

پندرہ شعبان کا روزہ

اور اِذَا انۡتَصَفَ شَعۡبَانُ ''جب کہ آدھا شعبان ہوجائے'' کے عنوان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نصف آخر سے پہلے روزہ مشروع ہے (۲) کیونکہ کسی حکم کو ایک میعاد کے ساتھ محدود کردینا اس کی علامت ہے کہ اس حد سے باہر یہ حکم نہیں پس اِذَا انۡتَــصَفَ ''جبکہ آدھا ہوجائے'' کے لفظ سے جو ایک حد معلوم ہورہی ہے اس سے قبل نصفِ آخر صوم کی اجازت معلوم ہوتی ہے جس کی تصریح وہ دوسری احادیث

(۳) ''جتنا تو اس کو دیکھے گا تیرے لئے اس کا حسن بڑھتا چلا جائیگا'' (۴) زیادہ فرحت وخوشی ہوتی ہے

(۱) وجود سبب کے بعد عموماً مقصود حاصل ہوجاتا ہے (۲) نصف شعبان سے قبل روزہ رکھنا جائز ہے۔

سے معلوم ہوتی ہے جو ابھی مذکور ہوتی ہے وہ دوسری احادیث وہ ہیں جن میں لیلة النصف من شعبان کی فضیلت وارد ہے یعنی پندرہ شعبان کی رات اور پندرہ کی رات شرعاً وہ ہے جو چودھویں تاریخ کا دن ختم ہونے کے بعد شروع ہوتی ہے کیونکہ شرعاً لیل مقدم ہے نہار سے تو پندرہ کی رات وہ ہے جو پندرہ تاریخ کے دن سے پہلے ہے مثلاً ہمارے یہاں شعبان کی پہلی منگل کی ہے اور پندرہ بھی منگل کی ہے تو پندرھویں رات وہ ہے جو پیر کا دن گذرنے سے شروع ہوگی۔ اس رات کے متعلق حدیث میں یہ حکم ہے کہ قُومُوا لَيلَهَا وَصُومُوا نَهَارَهَا ''اس کی رات میں جاگو اور اس کے دن میں روزہ رکھو'' کہ اس رات میں قیام کرو قیام اللیل رات کی عبادت کو کہتے ہیں اور دن میں روزہ رکھو تو اس حدیث میں اخیر نصف شعبان کے قبل روزہ کا مشروع ہونا مذکور ہے۔(۱)

تاریخ میں شبہ کی صورت میں ثواب

یہاں شاید بعضوں کو یہ شبہ ہو کہ اس مہینہ میں تاریخ کے اندر اختلاف ہے بعض کے نزدیک پیر کو پندرہ ہے تو اب یہ خلجان ہے کہ پندرہ تو ایک ہی ہوگی یا پیر کو یا منگل کو تو پھر کس دن کا روزہ رکھیں اور کونسی رات کو جاگیں اور دونوں راتوں اور دنوں کی عبادت کرنا یہ گراں ہے تو اب نہ معلوم منگل کی رات اور منگل کے دن میں عبادت کرے اور روزہ رکھنے سے ہم کو یہ فضیلت حاصل ہوگی یا نہیں تو سمجھ لو کہ تمہارا یہی خیال غلط ہے کہ ثواب کے اعتبار سے بھی پندرہ ایک ہی ہوگی۔ گو حساب میں پندرہ ایک ہو مگر حق تعالیٰ کسی خاص مکان یا زمان میں ایک فضیلت کو پیدا کر کے اس کے پابند نہیں ہو جاتے کہ دوسرے مکان یا زمان میں اس فضیلت کو پیدا

(۱) نصف شعبان سے پہلے روزہ رکھنے کا حکم مذکور ہے۔

نہ کرسکیں بلکہ وہ ہر رات اور ہر دن میں اس فضیلت کو پیدا کر سکتے ہیں رہا یہ کہ امکان سے وقوع تو لازم نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ دوسری نصوص سے اس کا وقوع بھی ثابت ہورہا ہے کہ حق تعالیٰ ایسا ہی کرتے ہیں کہ جو برکت ایک تاریخ میں تمہارے واسطے ہے وہی برکت دوسروں کے لئے دوسری تاریخ میں پیدا کردیتے ہیں جس کو وہ اپنی تحقیق کے موافق پندرہ سمجھتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کو برکت کا ایک رات سے دوسری رات میں منتقل کردینا کیا مشکل ہے۔

شان باری تعالیٰ

ان کی تو شان یہ ہے اُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ''یہی لوگ ہیں کہ اللہ ان کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دینگے'' کہ حق تعالیٰ گناہ کو حسنہ بنادیتے اور جرم کو طاعت کردیتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ حشر میں اللہ تعالیٰ ایک بندہ سے دریافت فرمائیں گے کہ کیوں تو نے ایسا کیا تھا تو نے فلاں گناہ کیا تھا اور اللہ تعالیٰ اول چھوٹے چھوٹے گناہوں کو گنائیں گے بندہ سب کا اقرار کرے گا اور اپنے دل میں ڈریگا کہ ابھی سنگین جرائم کا تو ذکر ہی نہیں ہوا دیکھئے ان پر کیسی گرفت ہومگر حق تعالیٰ کبائر کے ذکر سے پہلے ہی فرمادینگے کہ جاؤ ہم نے تم کو ہر گناہ کے عوض ایک نیکی دی اب وہ بندہ خود اپنے گناہ گنوائے گا کہ الٰہی میں نے تو اور بھی بڑے بڑے گناہ کئے ہیں ان کا تو یہاں ذکر ہی نہیں آیا مجھے ان کے عوض بھی نیکیاں دلوائے۔ یہ تو آخرت میں ہوگا اور دنیا میں يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ''اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیں گے'' کا مصداق یہ ہے کہ ملکات سیئہ کو مبدل بہ ملکات حسنات (۱) کردیتے ہیں بخل کو سخاوت سے اور جہل کو علم سے

(۱) بری عادتوں کو اچھی عادتوں سے بدل دیتے ہیں۔

بدل دیتے ہیں اور حسیات میں یہ صورت ہے کہ پانی کو خون کر دیتے ہیں جیسا کہ قوم فرعون پر عذاب دم مسلط (۲) ہوا تھا اور خون کو دودھ بنا دیتے ہیں جیسا کہ عورتوں اور گائے بکری کے پستان میں مشاہد ہے تو اگر وہ ایک تاریخ کی برکت دوسری تاریخ میں بھی رکھدیں تو کیا بعید ہے مولانا فرماتے ہیں ۔

گر بخواہد عین غم شادی شود عین بند پائے آزادی شود
کیمیا داری کہ تبدیلش کُنی گرچہ جوے خون بود نیلش کنی (۳)

قدرت الٰہی

واقعی حق تعالیٰ سے زیادہ کیمیا بنانے والا کون ہوگا جب تم کیمیاوی تدابیر سے تانبے کو سونا اور دانگ کو چاندی بنا دیتے ہو تو وہ پتھر کو سونا بنا دیں تو کیا بعید ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ کیونکہ سونا چاندی اور سب دہاتیں زمین ہی سے نکلتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس مٹی ہی سے کیا کیا بنا دیا۔

ہر علاقہ میں وہاں کی رویت ہلال معتبر ہے

رہا یہ کہ ایسا ہوتا بھی ہے یا نہیں اس کے لئے دوسری نصوص موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر بستی اور ہر شہر کے لئے اسی تاریخ میں برکت ہے جو ان کے حساب سے پندرہ تاریخ ہو حدیث میں ہے: اَلصَّوْمُ یَوْمَ تَصُوْمُوْنَ وَالْفِطْرُ یَوْمَ تُفْطِرُوْنَ وَالْاَضْحٰی یَوْمَ تُضَحُّوْنَ۔(۱)

---

(۲) خون کا عذاب (۳) "(اگر وہ اللہ تعالیٰ) چاہیں عین غم کو خوشی بنا دیں عین قید و بند آزادی ہو جاوے۔ تو ایسی کیمیا رکھتا ہے کہ اس کو بدل کر کچھ سے کچھ کر دے اگرچہ خون کی نہر ہو اس کو نیل (شفاف پانی) بنا دے" (۱) "روزہ اسی دن کا ہے جس دن تم روزہ رکھو اور عید الفطر کا وہی دن ہے جس دن تم عید الفطر مناؤ اور عید الاضحیٰ اسی تاریخ کو ہے جس دن تم قربانی شروع کردو"۔

اس کا مطلب حضرت استاد نے یہ فرمایا کہ جس تاریخ میں تم اپنی تحقیق کے موافق روزہ شروع کردو یا تحقیق کر کے روزہ ختم کردو تو خدا کے نزدیک وہی روزہ کی تاریخ اور افطار کی تاریخ ہے یعنی جو ثواب اور برکت رمضان وعید الفطر وعیدالاضحٰی کے دن میں رکھی گئی ہے ہر شہر کے مسلمانوں کو ان ایام میں حاصل ہوگی جو ان کے نزدیک رمضان وغیرہ کی تاریخیں ہیں۔لہذا تم اپنی تحقیق کے موافق جس دن کو پندرہ شعبان سمجھ کر روزہ رکھو گے وہی معتبر ہے اور اسی دن سے پہلی رات تمہارے لئے پندرھویں رات ہے اختلاف تاریخ سے شبہ میں نہ پڑو۔

پندرہ شعبان کو ممانعت آتش بازی

مگر خدا کے لئے اس رات میں قرب الی اللہ کے لئے جاگنا قرب الی النار کے لئے نہ جاگنا،قرب الی النار کے لئے جاگنا یہ ہے کہ آتش بازی کے واسطے جاگا جائے یہ آتش بازی کیا ہے آتش بازی ہے رات کو یوں معلوم ہوتا کہ آگ برس رہی ہے یہ بالکل یاجوج وماجوج کا سا فعل ہے وہ بھی آسمان کی طرف آسمان والوں سے لڑنے کے لئے تیر پھینکیں گے جن کو حق تعالیٰ کے حکم سے خون میں بھر کر واپس کیا جائیگا اسی طرح یہ لوگ آسمان کی طرف آگ بیل وغیرہ پھینکتے ہیں۔اس سے خود بھی بچو اور اپنے بچوں کو بھی بچاؤ کیونکہ اپنے اہل وعیال کو گناہوں سے بچانا بھی گھر کے سردار پر واجب ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں: يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا ''اے ایمان والو! اپنے کو بھی آگ سے بچاؤ اور اپنے گھر والوں کو بھی۔بعض لوگ کہتے ہیں صاحب کیا کریں بچے آتشبازی کے لئے ضد بہت کرتے ہیں یہ محض لغو عذر ہے بھلا اگر بچے زہر کھانے پر ضد کریں تو کیا تم کھلا دو گے ہرگز نہیں پھر دونوں میں فرق کیا ہے۔اس کے سوا اور کیا فرق

ہے کہ جس چیز کو اطباء جسم کے لئے زہر کہہ دیں اس کو تو تم مضر سمجھتے ہو اور جس کو رسول اللہ ﷺ روح ایمان کے لئے زہر بتلا دیں اس کو تم مضر نہیں سمجھتے۔ ذرا ہوش ٹھکانے کرو اور ایمان کو سنبھالو۔ دوسرے، بچوں کا بہلانا ہی کیا مشکل ہے ذرا سی بات میں بچہ بہل سکتا ہے جیسے بدوؤں کا بہلانا آسان ہے۔

بدوؤں کی سادہ لوحی

بدو چالاک نہیں ہوتے اکثر بھولے اور سیدھے ہوتے ہیں ایک شخص اپنے بدو کو چمچے میں گھی بھر کر دیا کرتے تھے وہ اس پر ضد کرتا تھا کہ چمچہ کو خوب بھرا کرو۔ انہوں نے کیا حرکت کی چمچہ کی تہہ میں پہلے کھچڑی جما دیتے پھر گھی بھر کر دیا کرتے چونکہ چمچہ ظاہر میں دیر تک بھرا ہوا تھا اس لئے بدو خوش تھا بس وہ یہ چاہتا تھا کہ چمچہ او چھا نہ ہو چاہے نیچے کچھ بھی بھرا ہو۔ ایک دفعہ چند بدوؤں کو کسی کے اسباب میں (۱) جیبی گھڑی ملی اس کی جو آواز سنی تو سب حیران ہو گئے کہ اس کے اندر کیا چیز بول رہی ہے آخر یہ رائے پاس ہوئی کہ اس میں جن بول رہا ہے جیسا یہاں بھی جب کسی مریض کا مرض ظاہر میں سمجھ میں نہ آتا ہو تو اسے آسیب ہی سمجھتے ہیں بالآخر گھڑی کو ایک پتھر پر رکھ کر اوپر سے بڑا پتھر زور سے مار دیکھا تو آواز بند کیونکر فنر اور بال کمانی کے ٹکڑے ہو چکے تھے اب سب کے سب بڑے خوش ہوئے کہ ہم نے جن کو مار ڈالا۔ بدو ایسے بھولے ہوتے ہیں انکا بہلا لینا کچھ مشکل نہیں ایسے ہی بچوں کو بہلانا بھی کچھ دشوار نہیں۔

---

(۱) سامان میں۔

بچوں کی تربیت

ہمیں خوب یاد ہے کہ بچپن میں رمضان کے مہینہ میں ختم قرآن کی شیرینی لینے کو ہمارا جی چاہتا تھا اور ہم ختم کے دن ہر مسجد میں پہنچنا چاہتے تھے لیکن والد صاحب ہم کو منع کرتے اور ختم کے دن کبھی کہیں نہ جانے دیتے اور فرماتے وہاں جا کر کیا لوگے بہت سے بہت دو چار جلیبیاں مل جائیں گی۔ لو ہم تم کو بازار سے بہت سی جلیبیاں منگائے دیتے ہیں خوب اچھی طرح کھالو اور ختم کے موقعہ پر نہ جاؤ کھانے پینے کی چیز کے لئے کہیں جانا بری بات ہے۔ انہوں نے اس طرح ہمارے دل سے مٹھائی کی حرص نکالی اور ایسے اچھے طور سے نکالی کہ ہم کو ناگوار بھی نہ ہوتا تھا کیونکہ واقعی اپنے گھر اس دن اتنی مٹھائی کھا لیتے تھے کہ مسجد میں دس آدمیوں کو بھی اتنی نہ ملتی ہوگی۔ اسی طرح آپ بھی اپنی اولاد کے جذبات کی اصلاح کیجئے۔

شب براءت کی فضیلت

بہرحال شب براءت کی بڑی فضیلت ہے شب قدر کے قریب قریب برابر اس کی فضیلت احادیث میں آئی ہے یہاں تک کہ بعض نے سورۃ دخان میں لَیْلَۃٍ مُّبَارَکَۃٍ کی تفسیر شب براءت سے کر دی ہے اور وجہ اس کی یہ ہوئی کہ لیلۃ القدر اور شب براءت کے فضائل احادیث میں ملتے جلتے ہیں، یہی دیکھ کر انہوں نے قرآن میں بھی لیلۃ مبارکۃ سے شب براءت ہی سمجھ لی مگر یہ خلاف ظاہر ہے کیونکہ آیت میں لَیْلَۃٍ مُّبَارَکَۃٍ کی صفت یہ مذکور ہے کہ اس میں نزول قرآن ہوا ہے اور شب براءت میں نزول قرآن ہونے کا نصوص میں کہیں ثبوت نہیں اس لئے

راجح یہ ہے کہ لَیْلَةٍ مُبَارَکَةٍ (مبارک رات) سے قرآن میں تو لیلۃ القدر ہی مراد ہے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ شب براءت کی بھی بڑی فضیلت ہے اس رات میں اور راتوں سے زیادہ عبادت کرنا چاہیے اور صبح کو روزہ رکھا جائے تو جو بات اِذَا انْتَصَفَ شَعْبَانُ ''جب آدھا شعبان گذر جائے'' سے اشارۃً معلوم ہوئی نہ تھی؟ دوسری روایت سے صراحۃً معلوم ہوگئی کہ نصف شعبان سے پہلے روزہ مشروع ہے بلکہ مسنون ہے خاص اس روزہ کی حکمت بھی سمجھئے میرے نزدیک یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان سے پہلے نصف شعبان کا روزہ رمضان کے نمونہ کے لئے مسنون فرمایا ہے تاکہ رمضان سے وحشت وہیبت نہ ہو کہ نہ معلوم روزہ کیسا ہوگا اور کیا حال ہوگا اس لئے آپ نے پندرہ شعبان کا روزہ اسی لئے مقرر فرمادیا کہ اس دن کا روزہ رکھ کر دیکھ لو چونکہ یہ ایک ہی روزہ ہے اس لئے اس کی ہمت سہولت سے ہوجاتی ہے جب وہ پورا ہوگیا معلوم ہوجاتا ہے کہ بس رمضان کے روزے بھی ایسے ہی ہوں گے اور اس تاریخ میں رات کی عبادت بھی تراویح رمضان کا نمونہ ہے اس سے تراویح کے لئے حوصلہ بڑھتا ہے کہ جب زیادہ رات تک جاگنا کچھ بھی نہ معلوم ہوا تو تراویح کے لئے ایک گھنٹہ زیادہ جاگنا کیا معلوم ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ کی شانِ تربیت

پس یہ تو اعانت بالمثل ہوئی(۱) اور پندرہ شعبان کے بعد روزہ سے منع کرنے میں استعانت بالضد علی الضد ہے (۲) اور یہ سب ایک ہی جملہ میں موجود ہے بھلا ہے کوئی ایسا بلیغ جو ایک جملہ میں علاج بالضد اور علاج بالمثل دونوں کو جمع

(۱) ایک کام پر اس کی مثل سے مدد کی مثال ہے (۲) ایک ضد سے اس کی ضد پر مدد حاصل کرنا۔

کردے اور اس سے رسول اللہ ﷺ کا کمال شان تربیت کا بھی ثبوت ہوتا ہے کیونکہ کوئی بڑے سے بڑا عاقل اگر تسہیل صوم رمضان کی کوئی صورت تجویز کرتا تو بہت سے بہت یہ کرتا کہ رمضان سے پہلے بھی ایک دو روز کا روزہ رکھ لیا جائے تاکہ طبیعت کو روزہ سے مناسبت ہوجائے تو صوم سے صوم میں استعانت کرتا باقی یہ علاج کسی کی سمجھ میں نہ آسکتا تھا کہ ترک صوم کو بھی سہولت صوم میں دخل ہے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجویز فرمایا کہ نمونہ کے لئے پندرہ شعبان کا روزہ اور اس کی رات کا قیام مسنون فرما کر اس کے بعد روزہ سے منع فرمادیا۔

خلاصہ وعظ

اب میں ختم کرتا ہوں اور خلاصہ پھر عرض کرتا ہوں کہ اسباب ومسببات میں جو عقلی احتمال چار نکلتے ہیں ان میں یہ احتمال بظاہر بہت بعید تھا کہ ضد جالب ضد ہو(۱) مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکا وقوع بھی بکثرت ہے اور میرے قلب میں نصف آخر شعبان میں روزہ ممنوع ہونے کی حکمت یہی آئی ہے کہ اس میں استعانت بالضد علی الضد ''ضد کے ساتھ ضد پر مدد چاہنا'' مقصود ہے جس کی مفصل تقریر اوپر ہوچکی ہے پس اب ہم کو چاہیئے کہ اس رات میں جو اسی پیر کے بعد آئے گی معمول سے کچھ زیادہ جاگیں اور عبادت میں مشغول ہوں جاگنا بلاعبادت کے مفید نہیں اور قیام اللیل سے نصوص میں محض جاگنا مراد نہیں ہوتا بلکہ جاگنے کے ساتھ عبادت کرنا مراد ہے اور پندرہ تاریخ کا روزہ رکھو اور ابھی سے صیام وقیام رمضان کے لئے آمادہ ہوجاؤ اس کی ایک آمادگی یہ بھی ہے کہ گناہوں سے پاک وصاف ہوجاؤ توبہ کرو اور اہل حقوق کے حقوق ادا کرو کیونکہ گناہوں کو کسل فی الطاعت(۲) میں بڑا دخل ہے اور ایک آمادگی یہ ہے کہ تراویح کے لئے صحیح قرآن

پڑھنے والوں کو تلاش کرو تیز پڑھنے والوں کو نہ ڈھونڈو کیونکہ ایسا تیز قرآن پڑھنا جس سے حروف بگڑ جائیں اور مقتدیوں کی سمجھ میں بھی نہ آوے مفید نہیں بلکہ الٹا گناہ کا سبب ہے اگر صحیح پڑھنے والا نہ ملے تو الم ترکیف ہی سے تراویح پڑھ لی جائے۔

اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ ہم کو اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ (۳)۔

---

(۱) ضد اپنی ضد کو کھینچ لاتی ہے (۲) عبادت میں سستی (۳) اللہ تعالیٰ اس وعظ کو سمجھنے اور عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

خلیل احمد تھانوی

۲۲ فروری ۲۰۱۷ء